تذکرہ

شعرائے طنز و مزاح

(روہیل کھنڈ)

مرتبہ

خان فہیم

تذکرہ

شعرائے طنز و مزاح

روہیلکھنڈ۔ اتر پردیش

مرتبہ

خان فہیم۔ بی اے۔ ایل ایل بی

بدایونی

نام کتاب	تذکرہ شعرائے طنز و مزاح (روہیلکھنڈ)
مرتب	خان فہیم
ناشر	خان فہیم
تزئین کار	ممتاز حسین
کتابت	تسلیم
طباعت	بریلی الیکٹرک پریس بریلی
صفحات	۲۷۵
تعداد اشاعت	چھ سو (۶۰۰)
سال اشاعت	۱۹۹۳ء
قیمت	ساٹھ روپے

ملنے کے پتے

دفتر "لمحے لمحے" سہ ماہی۔ سرائے جالندھری۔ بدایوں شریف

ماڈرن پبلشنگ ہاؤس گولا مارکیٹ دریا گنج۔ نئی دہلی

انتساب

والدِ محترم سمیع الدین خاں صاحب مرحوم،

کے نام

یہ کتاب

فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی

لکھنو۔ اترپردیش

کے مالی تعاون سے شائع ہوئی!

فہرست

طنز و مزاح اور روہیلکھنڈ

کوئی تذکرہ لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ جس پر تذکرہ لکھا جائے اس کے بارے میں مفصل جانکاری کرا دی جائے۔ کیونکہ یہ تذکرہ "شعرائے طنز و مزاح روہیلکھنڈ" ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ شعرائے طنز و مزاح کے ذکر سے قبل یہ جانکاری ہو جائے کہ روہیلکھنڈ کیا ہے، کب وجود میں آیا اور اس کی ادبی حیثیت کیا ہے۔

روہیلکھنڈ اس خوشگوار، پُر فضا اور زرخیز قطعہ زمین سے مراد ہے جو کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع ہے جس کو ہندوستان کے سب سے بڑے دریا نے جس کو دریائے گنگ کہتے ہیں سیراب کر دیا ہے۔ رام گنگا اور اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے دریاؤں نے بھی اس سرزمین کو سبز و شاداب رکھا ہے

یہی وہ خوشگوار جگہ ہے جس نے آج سے ۳۰۰ برس پہلے افغانیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اُنھوں نے اس خوشگوار قطعۂ زمین کو اپنا گھر بنا لیا اور اُن کے اصلی وطن روہ کی نسبت سے کٹھیر سے روہیلکھنڈ ہو گیا۔

افغانیوں کے آنے سے پہلے یہ خطہ کٹھیر کہلاتا تھا۔ کٹھریا نامی سورج بنسی راجپوتوں کی ایک قوم قنوج سے نکلنے جلنے کے بعد ۱۲۰۰ء میں یہاں آکر آباد ہوئی تھی اور اس سرزمین کا نام کٹیٹر رکھا گیا۔

روہیلکھنڈ کے رقبہ میں موجودہ دور کے سات اضلاع آتے ہیں۔ بجنور، مرادآباد، رام پور، بریلی، بدایوں، پیلی بھیت اور شاہجہانپور۔

روہ افغانستان میں کوہستان کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کے شمال میں کوہ کاشغر، جنوب میں بھکر اور بلوچستان، مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ہلمند ہے جو قندھار کے قریب بہتا ہے۔ حافظ رحمت خاں کے مورث غور و غزنی سے منتقل ہو کر اسی کوہستانی قطعہ میں آباد ہو گئے تھے اور اسی نسبت

سے روہیلے کہلائے۔ سب سے پہلے اس قوم کے بڑے سردار شاہ عالم خاں حافظ الملک کے والد کا ایک غلام داؤد خاں روہ سے چل کر کھیڑ آیا تھا۔ جس کو آج ہم روہیلکھنڈ کے نام سے جانتے ہیں۔ (حیات حافظ رحمت خاں ۱۹۳۳ء)

اس سرزمین کی ادبی حیثیت جاننے کے لئے ہمیں افغانیوں کے علم وادب پر روشنی ڈالنی ہوگی۔ ہر وہ شخص جس کو علم تاریخ سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہے خوب جانتا ہے کہ احمد شاہ دُرّانی جیسا بہادر شاعری کے میدان کا بھی مرد تھا۔ اور صاحبِ دیوان تھا اس کے جانشین بھی شاعر تھے۔ جن میں شاہ شجاع کا نام زیادہ مشہور ہے۔

سرجان اسٹریچی لکھتا ہے کہ حافظ رحمت خاں کے پاس ایک بڑا ذخیرۂ کتب تھا۔ جس کو اُن کی شکست وشہادت کے بعد شجاع الدولہ لکھنؤ لے گئے۔ جو بعد کو شاہانِ اودھ کے شاہی کتب خانے کی زینت بنا۔

سرجان اسٹریچی نے اپنی کتاب "ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار" حافظ رحمت خاں بحیثیت ایک شاعر' ایک باب لکھا ہے کہ ایم ڈانس ٹیٹر لپنے رام پور جانے کی کیفیت اس طرح بیان کرتا تھا کہ جب وہ وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو اس کو ایک روہیلے نے حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلا سرداروں کا ایک قلمی مجموعۂ کلام دیا۔

اس بات سے بھی اس قطعہ سرزمین کی ادبی حیثیت کا پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں ایک سردار سپاہی کی شہرت اس وقت تک نامکمل رہتی تھی جب تک وہ صاحبِ دیوان نہ ہو۔ اس زمانے کے اہلِ سیف زیادہ تر اہلِ قلم بھی ہوا کرتے تھے اور اُن کا قلم نہ صرف ملکی ومالی گتھیوں کے سلجھانے کے لئے وقف ہوتا تھا۔ بلکہ علم وادب کے نکات حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (حیات حافظ رحمت خاں)

اس طرح ہم کو روہیل کھنڈ کی ادبی حیثیت کے اعلیٰ معیار سے متعارف ہوئے اور وہ معیار اپنی فنکارانہ تابانیوں کے ساتھ آج بھی انسانوں کے ذہن ودل کو منور کیے ہوئے ہے۔ اس تذکرے میں صرف روہیل کھنڈ کے طنز ومزاح کے شعرا کا تذکرہ ہے۔ اب ایک نظر طنز ومزاح پر بھی ڈال لی جائے جس کے سبب اس ادبی فضا

کو معطر کرنے میں لکھنؤ اور دہلی کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ یہاں کے ادبی ماحول سے روہیلکھنڈ کا ادب توانا ہوتا رہا ہے۔ جس کے سبب آج روہیلکھنڈ کے جو آفتاب و ماہتاب ہندوستان کے ادبی آسمان پر چمک رہے ہیں اُن میں دل شاہجہانپوری احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور مصطفےٰ رضا خاں فاضل بریلوی اور جگر اور قمر مراد آبادی، فانی بدایونی، ذکار بدایونی، شکیل بدایونی، جامی بدایونی، قمر بدایونی، ابر احسنی گنوری، محشر عنایتی شاد عارفی، رئیس امروہوی، شہباز امروہوی، نسیم پیلی بھیتی، نشاط پیلی بھیتی، شایاں پیلی بھیتی، درویش نجیب آبادی، ہلال سیوہاروی چندر پرکاش جوہر بجنوری قابل ذکر ہیں۔ روہیلکھنڈ میں آج بھی ادبی ماحول ان ہی حضرات کے سبب پھل پھول رہا ہے۔ شعر و شاعری کے علاوہ نثر میں بھی روہیلکھنڈ میں بہت سے حضرات نے اپنا نام روشن کیا ہے۔ وہ چاہے ناول ہو افسانہ ہو یا مضامین ہوں، ہر میدان میں اپنے قلم کے جوہر دکھلائے ہیں۔ ان ہی اصناف میں ایک صنف طنز و مزاح ہے جس میں روہیلکھنڈ کے مزاحیہ شعرا نے اپنے ذہن کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان ہی حضرات کے کلام کو ترتیب دے کر شعرائے طنز و مزاح روہیلکھنڈ آپ کے روبرو ہیں۔ روہیلکھنڈ کے علاوہ طنز و مزاح کی دنیا میں جن حضرات نے حصہ لیا ہے۔ طنز کیا ہے اور مزاح کیا ہے یہ سمجھنا بھی بہت ضروری ہے مندرجہ ذیل سطور میں اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے

غم زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ انسان پیدائش سے موت تک زندگی کے سارے مراحل غم و آلام، کرب و کسک میں گزار دیتا ہے۔ اس کی زندگی کا بہت کم حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں اس کو مسرت کا احساس ہوتا ہے۔

اگر انسان کی زندگی میں غموں کا سلسلہ مسلسل رہے تو شاید اس کو زندگی بسر کرنا دشوار ہو جائے۔ انسان کو اس غم سے نجات پانے کے لئے ایسے حالات کی ضرورت پیش آتی ہے جس میں وہ خوشی کا احساس کر سکے چاہے وہ

ملحہ کبیر کو ہی کیوں نہ ہو۔

انسان کی زندگی میں مزاح ہانڈی میں نمک کی طرح ہوتا ہے اگر ہانڈی میں نمک نہ ہو، اس میں کوئی لطف یا کوئی ذائقہ نہیں رہتا۔ اس لئے مزاحیہ شاعری میں مزاح کے ساتھ طنز انسان کے ذہن و دل کو وہ کیف بخشتا ہے جس سے اُس کے فطری تقاضے پورے ہوتے ہیں اور خود کو پورے طور سے لطف اندوز محسوس کرتا ہے۔

انسان نے جب وحشیانہ عناصر کا چولا اُتار کر پھینکا اور ترقی و تمدن کا چولا زیب تن کیا تو ہنسنے کا عمل وجود میں آیا۔

بقول ماہرین نفسیات کہ دنیا کی تمام ذی روح نفسیات میں صرف انسان ہی ہے جس کو ہنسنے کا شرف حاصل ہے۔ انسان ابتدا سے ہنسنے ہنسانے کے ذرائع تلاش کرتا رہا ہے جو اس کی زندگی میں غم کو مارنے کا کام کرتے ہیں۔

ادب کا مقصد انسان کی زندگی میں کیف اور شعور پیدا کرنا ہوتا ہے اور وہ اس ادب اور تہذیب کی روشنی میں خوشی کا لباس زیب تن کرنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کو ناٹکوں، ڈراموں، سرکسوں اور درباروں میں مزاح حاصل ہوتا رہتا تھا۔ درباروں میں اس کی پرورش زیادہ ہوئی جس میں بذلہ سنج، ظریف، نقال بھاٹ وغیرہ ہنسانے کا کام کیا کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے مزاح کو ادب میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہوگا۔

ادب کی مندرجہ ذیل اصنافِ زندگی میں تازگی اور مسکراہٹ کے لمحوں کو جنم دیتی رہی ہے۔ جیسے انشائیہ، مزاحیہ، افسانے، پیروڈی، تحریف، رمز، ہجو، پھبتی، تنقیص، تضحیک، تمسخر، استہزا، خمریات، ہزل، فحاشی، ریختی، ضلع جگت، لنتر ہے۔

مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا جاتا ہے انسان کے مزاج اور ادب میں بھی اسی

طرح تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جس کے سبب آج ہجو، پھبتی، تنقیص، تضحیک، تمسخر، استہزا، خمریات، ہزل، فحاشی کی ادب میں کوئی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔

آج جو مزاح کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کا سبب طنز ہے۔ طنز اور مزاح جب دونوں مل جاتے ہیں تو گنگا جمنی لطف پیدا کر دیتے ہیں۔ انسان بار بار اس کو سننے اور پڑھنے کی خواہش رکھتا ہے طنز کیا ہے اور مزاح کیا ہے۔ اس کا فرق سمجھنا بھی ضروری ہے۔

طنز:۔ انسان کی زندگی سماج کے ناخوشگوار ماحول یا کسی واقعہ سے متاثر ہو کر طنز نگار کو اکساتا کہ وہ تہذیب اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے طنز کا ایسا تیر چھوڑے کہ فاسد مادہ نکل جائے۔ طنز کی تلخی کے باوجود اس کو بھی لطف دے جائے جس پر طنز کیا گیا ہو اس سلسلہ میں ماچس لکھنوی کا ایک بھرپور طنز ملاحظہ فرمایا۔

اُف ری عیاریاں اُف ری مکاریاں
لومڑی کیا ہوئی مولوی ہو گئی!

مزاح:۔ مزاح کے لغوی معنیٰ ظرافت اور مذاق کے ہیں یعنی وہ کلمات جن کو سُن کر یا پڑھ کر انسان مسکرانے، ہنسنے یا قہقہا لگانے پر مجبور ہو جائے، مزاح کہلاتا ہے۔ یہ کلمات نظم یا نثر کسی بھی صنف میں پائے جا سکتے ہیں یہی بات دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ تبسم، ہنسی، قہقہے کے قواعد اور ضوابط رائج ہیں ان سے انحراف اور انسان کی خامیاں، حیات میں تضاد اور ناہمواریوں کو اس فنکارانہ ڈھنگ سے تراش کر پیش کیا جائے جس سے مسرت، شگفتگی اور لطافت میسر ہو اور ہمدردی پیدا ہو۔ مثلاً ؎

تمہارے سامنے بیدم وہ کیا بیچیں گے پودینہ
وہ اک کیاری کے مالک ہیں یہاں سارا چمن اپنا

مزاح سے منسلک اگر سب ہی اصناف کی تشریح کی جائے تو مضمون یقیناً بہت طویل ہو جائے گا کیونکہ اس وقت ہمارا تعلق صرف طنز و مزاح سے ہے جس کا

تعارف کروانا ضروری تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ جب یونان کے علم و فن کی قدر ساری دنیا میں کی جاتی تھی۔ طنز و مزاح یونان میں نکھرا۔ لاطینی میں ہوریس نے اور ہوریس کی طرز پر اطالوی شاعر بونڈو کو ارسطو نے طنز و مزاح لکھا' انگلستان میں طنز و مزاح کو خوب نوازا گیا جہاں آسکر والڈ، چسٹرٹن' برنارڈ شا جیسے ادیبوں نے اس کو زندگی عطا کی۔ ان کے علاوہ انگریزی ادب میں جن اہل قلم نے اس طرف توجہ فرمائی اُن میں ولیم شکسپیئر' جوناتھن سوئفٹ' جارج ایسٹ' جارج ڈکنس اور ایم۔ جی وس کے نام سر فہرست ہیں۔ اردو ادب میں شعراء اور ادباء نے تہذیب اور ادب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انگریزی ادب سے روشنی لے کر اپنی ذہنی تراش و خراش سے طنز و مزاح میں وہ خوبیاں پیدا کیں جس کی وجہ سے اس صنف کو ادب میں ایک مقام حاصل ہو سکا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ہم دنیا کے دیگر ممالک کے ادب میں طنز و مزاح کی تحقیق کریں تو معلوم ہوگا کہ عرب کے طنز و مزاح نگاروں میں حجی اور اشرف کا نام سر فہرست ہے۔ مُلا نصیر الدین ترکوں کا سب سے بڑا ظریف تھا۔ شیخ زاہد' واعظ اور محتسب کی تضحیک فارسی ادب کا کارنامہ ہے۔ انگریزی کے علاوہ اُردو میں اس صنف نے فارسی اور سنسکرت کی روایتوں کا بھی سہارا لیا ہے جو آج ایک مقبول صنف کی صورت میں موجود ہے۔

ہم یہ محسوس کریں گے کہ طنز کے ساتھ۔۔۔۔ مزاح کا وقار بڑھ جاتا ہے اگر مزاح ایک پھول ہے تو طنز اس کی خوشبو ہے۔ بغیر خوشبو کے پھول کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو خوشبودار پھول کی ہوتی ہے۔

دیگر اصناف کی طرح اس صنف کے لئے گہرے مشاہدے مطالعے اور مشق کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو بات سب سے اہم ہے وہ یہ کہ مزاح کہنے والے میں ظرافت کا پایا جانا بھی ضروری ہے ورنہ آمد اور آورد والی بات ہو جاتی ہے۔

طنز و مزاح آج قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لکھنؤ دہلی اور دکن نے اس مزاج کے جو شعرا اور ادبا بنائے ہیں۔ وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ جعفر زٹلی سے احمق پھپھوندوی تک اس صنفِ سخن کو جن شعراء نے جلا بخشی ہے۔ ان میں سودا، انشاؔ، اکبر الہ آبادی، مصحفی، مکین، میر ضاحک، اقبال، جوش، بوم باپوڑی وغیرہ ہیں۔ ان شعرا نے معاصرانہ چشمک کے سبب اس صنف سخن کو استعمال کر کے اپنے ذوق کی تکمیل کی اور اس صنف کا وہ ننھا پودا آج ایک تناور درخت کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے مگر پھر بھی اُردو ادب اُن کے مزاحیہ کارناموں کو فراموش نہیں کر سکے گا۔

تقریباً تین سو برس پہلے جعفر زٹلی سے اس صنفِ سخن کی ابتدا ہوئی اور احمق پھپھوندوی، سودا، انشا، اکبر الہ آبادی نے اس چراغ کو مزید روشنی بخشی۔ آج بھی ہندوستان کے ادبی گوشوں میں بخیر و خوبی سلامت ہے۔ جعفر زٹلی نے اس صنف سخن میں اپنے جوہر دکھلائے جس کے صلے میں "بھوت بڑا ہوا نامہ اور کھوا نامہ جیسی مشہور مزاحیہ نظمیں اردو کو عطا کیں۔

جب ہم امیر خسرو کے دور پر نظر ڈالتے ہیں تو جمبو ساقن کی شان میں ہم کو مزاحیہ اشعار ملتے ہیں۔ اس صنف سخن کے فروغ میں "اودھ پنچ" اور فتنہ عطر فتنہ نے نمایاں رول ادا کیا ہے اس سلسلے میں رشید احمد صدیقی فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اودھ پنچ ظرافت کا علمبردار تھا اس سے منسلک اکبر الہ آبادی ظریف اور شہباز قابلِ ذکر ہیں۔

اس مختصر جائزے کے بعد اگر صرف روہیلکھنڈ سے مزاحیہ ادب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح ہندوستان کی تاریخ میں روہیلکھنڈ کی اپنی منفرد حیثیت رہی ہے۔ اسی طرح اس صنف روہیلکھنڈ کے شعراء کی حیثیت قابلِ قدر ہے۔ روہیلکھنڈ کے بعض شعرا کو جعفر زٹلی احمق پھپھوندوی اور سودا، انشا، اکبر الہ آبادی کی صف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ماضی اور حال کے جن طنز و مزاح نگار شعرا نے

روہیلکھنڈ میں طنز و مزاح کے ادبی ماحول کو بنایا، اُن کا تذکرہ آپ زیرِ نظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ چند اہم شعرا کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں — شاد عارفی، رئیس امروہوی، دلاور فگار، اعجاز وارثی، شہباز امروہوی، بے تک رامپوری، اُستاد رام پوری، ہلال رضوی، ہلال سیوہاروی، دلکش آفریدی، ابلیس بریلوی، ساحر عثمانی، ٹیلر پیلی بھیتی بیڈھب شاہجہان پوری، اڈیٹل شاہجہانپوری، جھنجھٹ نجیب آبادی اور درویش نجیب آبادی نے روہیلکھنڈ کی عظمت کو چار چاند لگائے ہیں۔

طنز و مزاح کے شعرا کے دو ہی تذکرے حاصل ہو سکے ہیں جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ خندۂ گل عبدالباری آسی اور دوسرا تذکرہ "ثقہ ظریف" جناب مولوی قمر الحسن قمر بدایونی ہے۔ جن کتابوں، رسالوں، اخباروں سے استفادہ کیا ہے۔ اُن کی فہرست تذکرے میں شامل ہے۔ کتابوں، رسالوں، اخباروں کی مدد کے ساتھ ساتھ روہیلکھنڈ کے اہلِ ذوق حضرات سے بھی خود جا کر رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے تعاون فرمایا۔ اس تعاون کے لئے میں ان حضرات کا ممنون ہوں۔

جن حضرات نے اس تذکرے میں مدد فرمائی اُن کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں جناب مبارک شمیم، سید احمد سحر شاہجہانپوری، جناب ذکی تارگانوی، نشاط پیلی بھیتی، ماہر قریشی بریلوی، اعجاز وارثی سنبھلی، رئیس رام پوری، اظہر عنایتی، اسعد بدایونی، ساحر عثمانی، شاداب ذکی۔ ان سب حضرات کی زحمت کے لئے ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خان فہیم۔ بی اے ایل ایل بی

بدایوں

آزاد

کاظم علی آزاد محلہ چاہ میر بدایوں کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام قادر خاں تھا۔ مؤلف "خمخانۂ گل" نے آزاد کا نام محمد علی خاں لکھا ہے۔ لیکن اُن کا اصل نام کاظم علی تھا۔ اس کی تصحیح قمر بدایونی نے اپنے ایک مضمون "آزاد بدایونی کے متعلق غلطی کی اصلاح اور بعض اَن پڑھ شاعروں کے حالات مطبوعہ رسالہ اُردو حیدرآباد اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۱۶ میں کی ہے۔

آزاد نہایت والہانہ طبیعت السان تھا۔ آزادانہ مزاج رکھتا تھا خاندان میں لوہارگیری کا کام ہوتا آیا تھا۔ آزاد نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔

آزاد کی خوش نصیبی یہ تھی کہ اُن کو گاہ گاہ اہلِ ذوق کی صحبت میسّر ہوتی رہی اور نیز اِن سخن سے لطف حاصل کرتے رہے۔ طبیعت کے میلان اور موزونیت سے شاعر بن گئے۔ مزاج میں ظرافت موجود ہونے کی وجہ سے اُن کے ظریفانہ کلام میں ایک لطف پیدا ہوا جسے عوام نے بہت پسند کیا۔

آزاد کو مولانا قمر الحسن قمر بدایونی سے شرفِ تلمیذ حاصل تھا۔ اُنھوں نے اپنے رنگ میں ایک مثنوی بھی "زہرِ عشق" کے عنوان سے لکھی تھی۔ آزاد نے ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹۵۹ء کو وفات پائی۔

نمونۂ کلام :-

دستِ جنوں لگا ہے کپڑے اُتارنے　　خلعت برہنگی کا جو بخشا بہار نے

داغ کی لے کے سپر ہاتھ میں آہی نکلا
آپ کے باغ کا لالہ بھی سپاہی نکلا

شہر اتر ہے وحشی کا ہے گھر گھر گئی دن سے
کوٹھوں پہ چُنے جاتے ہیں پتھر گئی دن سے
آزادؔ کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم
کاندھے پہ لئے پھرتے ہیں بستر گئی دن سے

نوٹ:۔ کسی خوش مزاج نے قافیہ بستر کو چھپر سے بدل دیا تھا اور چھپر ہی سے یہ شعر مشہور ہو گیا تھا۔

"تذکرہ خندۂ گل" صفحہ ۲۔ عبدالباری آسی
تجلیاتِ سخن صفحہ ۲۲۰
خمخانۂ جاوید، رسالہ آرزو۔ حیدرآباد دکن اپریل ۱۹۳۲ء

ابلیس بریلوی

محمد علی نام اور ابلیس تخلص تھا۔ اُن کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو سکی انتقال ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ تحریکِ آزادی کے ہنگامی دورِ سیاست میں ہزل گو و ہجو گو شاعر تھے۔ مشرقی علوم کے فاضل تھے۔ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انگریزی سرکار کے پنشن خوار تھے۔ وضع قطع کے صاحبِ کردار انسان تھے۔ ابلیس سیاسی طور پر قوم پرست اور مذہبی طور پر غیر مقلد تھے ہوتا یہ تھا ہجو یا ہزل لکھ کر میونسپلٹی کے لائٹس کا کھمبا جو گلی نوابان نینی تال روڈ پر تھا چپکا دیتے تھے۔ اس ہزل یا ہجو کو لوگ پڑھتے نقل کرتے اور شہر بھر میں مشہور کر دیتے تھے۔ وہ کھمبا، کھمبا پریس کے نام سے

مشہور ہوا۔ کیونکہ ابلیس مولوی تھے۔ اس لئے گالی بکنا اُن کے مزاج کے خلاف تھا۔ لہذا اُن کی گالی ذو معانی الفاظ میں ہوتی تھی وہ خان بہادری سے بہت چڑتے تھے۔ اُنھوں نے نام بنام اُن کا مضحکہ اُڑایا۔ بریلی کے ایک قوم پرست گرفتار ہوئے اور انگریزی سرکار سے معافی مانگ کر آزاد ہوگئے اُن کے اس واقعہ پر کسی قدر برہم ہوئے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے۔

اُو... بے حیا اُخ تھو تری اوقات پر۔ اُو کمینے بے حیا اُخ.......
تجھ میں گر ہمت و جرأت نہ تھی عبرت نہ تھی۔ تھا کس لئے لیڈر بنا اُخ.......
لاکھوں زخمی مر گئے سب شیخ یہ چلی مر گئے۔ تو بے حیا زندہ رہا اُخ.......
وہ لن ترانی کیا ہوئی اب وہ پٹھانی کیا ہوئی۔ تجھ جیسے پہ لعنت خدا اُخ.......
سب ساکنان بحر و بر جن و بشر شمس و قمر، کرتے ہیں ہر دم یہ صدا اُخ.......
سب باپ، دادا کی ترے عزت گئی حرمت گئی۔ تو ناخلف زندہ رہا اُخ.......
محشر میں جو تو جائے گا تجھ سے خدا فرمائے گا۔ ہاں وہ غزل پڑھنا ذرا اُخ.......

وہ کماتی ہے تو بیٹھ کے کھا لیتا ہے
تو دلاور نہیں اماں تری مردانی ہے

سرخ ٹوپی، سبز اچکن، دل سیاہ، داڑھی سفید
یہ نماز پنجگانہ اور میاں ابلیس آپ

(بشکریہ جناب ماہر قریشی بریلوی)

اڑئیل شاہجہانپوری

شاہجہانپور کی ادبی شخصیات میں اڑئیل صاحب طنز و مزاح میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ اُن کا نام اشفاق حسین خاں تھا۔ تخلص اڑئیل فرماتے تھے اُن کے والد کا نام ابوالحسن تھا۔ اُن کی پیدائش بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ہوئی تھی۔ اور نویں دہائی میں دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ آپ اُردو ہندی انگریزی سے بخوبی واقف تھے۔ میونسپل بورڈ شاہجہانپور میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپ نے حضرت پیارے رشید صاحب شاہجہانپوری کی سرپرستی میں ادبی سفر طے کیا۔ اڑئیل صاحب کا آخری دور کا کہا ہوا کلام زیادہ معیاری ہے جو کوشش کرنے کے باوجود بھی حاصل نہیں ہو سکا۔ اخبار "روہیلکھنڈ" سے اُن کے ابتدائی دور کا کلام دستیاب ہو سکا ہے جو پیشِ خدمت ہے۔

بڑے عروج پہ عریانیاں ہیں فیشن کی
یہ دیکھنا ہے کہ شلوار کتنی رہتی ہے

گھروں پہ نائیلون آئی ہے مار کین گئی
ابھی تو جمپروں سے صرف آستین گئی

نہیں بے وجہ تخلص اڑئیل
ڈال دیتے ہیں جہاں اپنے قدم

اڑ طبیعت میں ہے اڑ جاتے ہیں
بن کے کھونٹا وہیں گڑ جاتے ہیں

جب تک کہ حسیں آنکھوں سے مئے پی نہیں جاتی
کہتے رہے دن رات مواعظ پہ مواعظ

جب تک کہ نگہ شوق سے مستی نہیں جاتی
اڑئیل روشِ بادہ پرستی نہیں جاتی

اس گرانی کے دور میں اڑتیں
اچھے اچھے کی مٹ گئی ہستی
اللہ اللہ نوازشِ سوراج!
روٹی مہنگی ہے آبرو سستی

ازل سے آج تک عشقِ مجازی
مجاور ہے ہمارے آستاں کا
جسے کہتے ہیں مجنوں کا فسانہ
پچھلا ہے ہماری داستاں کا

شاعروں نے کھول دی ہے مارکیٹ
شعر گوئی دال آٹا ہو گئی
مانگے جاتے ہیں غزل پڑھنے کے دام
شاعری روزی کا ٹکڑا ہو گئی

نمائش سی لگی رہتی ہے دن رات
یہ جمگھٹ ہے حسینانِ جہاں کا
ان آنکھوں سے لئے ہیں لاکھوں عکس
ہے دل البم تصاویرِ بتاں کا

(جناب مبارک شمیم شاہجہانپوری سے دستیاب کیا)

"افکار"

باتوں میں عدو کی آ کے وہ کیا خوب سخاوت کر بیٹھے
جو چیز ہمیں دینا تھی انھیں دشمن کو عنایت کر بیٹھے
میخانے میں واعظ بے موقع اوروں کو نصیحت کر بیٹھے
جھنجھلا کے پرستارِ بادہ بیچارے کی درگت کر بیٹھے

سینے کے کسی گوشے میں کبھی اب ملتا نہیں ہے دل کا نشاں
وہ باتوں ہی باتوں میں اپنی اچھی یہ حجامت کر بیٹھے

اب حرفِ تمنّا سنتے ہی وہ یاد دلا دیتے ہیں ہمیں
نادم ہیں کہ ہم خود ہی اک دن اظہارِ شرافت کر بیٹھے

تخلیق کا اپنی دنیا میں کوئی تو بہانا ہونا تھا
جنّت میں جو دانہ گندم سے دادا میاں رغبت کر بیٹھے

مبہوتِ محبت تھے ہم بھی مبہوتِ محبّت تھے وہ بھی
مدہوش جو پایا دونوں کو ارمانِ بغاوت کر بیٹھے

ہیں گورے رنگ کے متوالے انگلش ہو وہ یا امریکن ہو
دیکھا جس کا چٹّا چمڑا ہم اُس سے محبّت کر بیٹھے

اس شوق کے گھر کے اندر پھر کیا ذکر تدا خل اُے اڑیل
کام اپنا بگاڑا خود ہم نے دربان سے محبت کر بیٹھے

(اخبار روہیل کھنڈ سے اخذ کیا گیا)

سُرخ جھنڈی ہے سر گیٹ خدا خیر کرے
گاڑی ہو جائے نہ اب لیٹ خدا خیر کرے

اُستاد رامپوری

اُردو ادب میں رام پور اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح میں بھی کئی شعرا نے بہت شہرت حاصل کی۔ ان شعرا میں ایک نام اُستاد رام پوری کا بھی ہے۔ اُستاد تخلص فرماتے تھے اور ان کا نام قیصر شاہ خاں

اور والد کا نام فیروز شاہ خاں تھا۔ اُنھوں نے حامد ہائی اسکول سے ۱۹۴۹ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ شعر گوئی کا شوق ابتدائی عمر سے تھا اور ابتدا ہی سے اُن کی طبیعت ظرافت کی طرف مائل تھی۔ اُن کا پہلا مجموعہ "میں بھی شاعر" ہے۔ اُن کا دوسرا مجموعۂ کلام "اُستادیاں" ترتیب دیا جا چکا ہے۔ جلد ہی منظرِ عام پر آنے والا ہے۔ اُستاد نے ایک روزنامہ "رام پور گزٹ" بھی نکالا تھا جو عوام میں بہت مقبول ہوا۔ ان کا دولت خانہ گھیر حسن خاں رام پور میں ہے۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۸۷ء ۸ بجے شب رام پور ہی میں انتقال کیا۔ وہ ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے کاتب بھی تھے۔

نمونۂ کلام :۔

ہیں اُس کے ذہن میں ماضی کی یادیں
ہلا دیتا ہے دُم کچھ جانتا ہے
نگاہیں پھیرنے والے اِدھر دیکھ
ترا کُتّا مجھے پہچانتا ہے

بیوی کی مدارات کہاں لے آئی ۔۔۔ بچّوں کی بہتات کہاں لے آئی
گا نجھ ہے نہ افیوں چرس ہے نہ شراب ۔۔۔ اے گردشِ حالات کہاں لے آئی

دل میں حسد و بغض پلا کرتے ہیں ۔۔۔ روز ایک نئی چال چلا کرتے ہیں
سنتا تھا کب جلتے ہیں چراغوں سے چراغ ۔۔۔ اُستاد سے اُستاد جلا کرتے ہیں

زمینی حور کوئی جب ملبوسات میں نکلے ۔۔۔ اُسے جائز کبھی تہذیب کے باغی نہیں کہتے
اگر بازار میں ننگے کھڑے ہوں کوئی سادھو جی ۔۔۔ اُسے روحانیت کہتے ہیں عریانی نہیں کہتے

دیکھے تو کوئی سوزِ غمِ دل کا تاثر
انڈے جو رکھے جیب میں بچے نکل آئے

شاعرِ گیسو دراز

سرِ شام چھائے فلک پر جو بادل
تو سینے میں ہونے لگی میرے ہلچل

برسنے لگی جب گھٹاؤں سے مستی
تو میں نے بھی بستی میں اک پاؤ پی لی

میں پی کر جو نکلا تو بہکا ہوا تھا
کوئی وقت ہوگا سوا نو بجے کا

گھر آیا تھا اس وقت بادل گھنیرا
نشے میں تھا میں راہ میں تھا اندھیرا

یکایک ہوا مجھ کو محسوس ایسا
برابر سے نکلی مرے اک حسینہ

عجب چال تھی جیسے بہکی ہوائیں
برابر سے نکلی تو مہکی فضائیں

وہ موزوں بدن اور وہ قدِ بالا
وہ زلفیں ہیں کاندھے پہ جیسے دوشالہ

مجھے اس کی صورت نظر ہی نہ آئی
میں تھا پیچھے وہ آگے چلی جا رہی تھی

کبھی خود بخود ہاتھ اپنے ہلاتی
کبھی زیرِ لب شعر تھی گنگناتی

کچھ اس طرح زلفوں کو دیتی تھی جھٹکا
کہ جیسے مرا دل ہو زلفوں میں اٹکا

چلی جا رہی تھی، وہ زلفیں بکھیرے
مچلتے تھے رہ رہ کے ارمان میرے

ہیا دل میں یوں چٹکیاں لے رہی تھی
جوانی گناہوں کو شہ دے رہی تھی

کئی نظم کے گیت بھی میں نے گائے
یہی سوچتا تھا وہ اب مڑ کے دیکھے

کوئی راہ میری سمجھ میں نہ آئی
کئی بار سیٹی بھی میں نے بجائی

کبھی سوچتا تھا کہ دامن پکڑ لوں
حسیں جسم کو بازوؤں میں جکڑ لوں

مگر یوں بدلنا تھا اپنے ارادے
کہیں وہ سڑک پر نہ اُودھم مچا دے

غرض دامنِ صبر ہاتھوں سے چھوٹا
بہت ڈرتے ڈرتے ہوئے ہاتھ ڈالا

مگر اس نے رُخ جب مری سمت پھیرا
مرے سامنے ایک شاعر کھڑا تھا

پھر اک شہ جذبۂ عشق ناکام نکلا　　میں سمجھا صراحی مگر جام نکلا

گالیاں کھاتے رہے اہلِ وفا کیا کرتے
ایک ظالم سے پروٹیسٹ بھلا کیا کرتے
گھر میں آواز تو آتی تھی کہ آرام حرام
گھر سے نکلے تو کوئی کام نہ تھا کیا کرتے
بہرِ اصلاح غزل آئی تو جڑ کھینچ لیا
پھر بھی اُستاد سے شاگرد گلا کیا کرتے

ہے نا۔ اپنے سر کو دیواروں سے ٹکرانے کی بات
ایک گنجا کر رہا تھا چاند پر جانے کی بات
وہ بھی کیا دن تھے جدھر ہانکو اُدھر ہنک جائیں سب
آج ہر ووٹر کیا کرتا ہے دوڑانے کی بات
داد شاگردوں نے دیدی ہو گئے اُستاد شاد
سچ ہے دیوانے سمجھ لیتے ہیں دیوانے کی بات

شعر کہنا تو بہت مشکل نظر آیا مگر　　ہم تو زلفیں چھوڑ کر اُستاد کہلانے لگے

علم سے محروم ہیں لیکن لقب اُستاد ہے
ہم ہیں وہ نواب جس کی جیب میں پائی نہ ہو

زلفیں بڑھی ہوئی تھیں داڑھی بڑھی ہوئی تھی
ہم جیل سے مجسّم اُستاد بن کے نکلے

سوچ تو فقیروں کو نے بھیا ل کہاں ہے
اس ذرہ کے خود اہلِ کرم تیج رہے ہیں

کنجوں کو خدا کے لئے نفرت سے نہ دیکھو
یہ سر بھی کسی دور میں گنجان رہے ہیں

ہم گدھے کو گدھا سمجھتے ہیں
وہ ہمیں جانے کیا سمجھتے ہیں

ذرا ہم سے سنبھل کر بات کرنا
ابے ہم ڈالڈا کھائے ہوئے ہیں

اعجاز وارثی

جگر مرادآبادی کا وطن مرادآباد ہے۔ سنبھل ضلع مرادآباد کا مشہور قصبہ ہے جو ادبی احول سے ہمیشہ سرسبز رہا ہے۔ اعجاز وارثی اسی قصبہ کے ساکن ہیں۔ اعجاز وارثی نے ابتدائے شاعری میں اپنا تخلص شاد اختیار کیا اور سنہ ۱۹۳۱ء میں شاد تخلص ترک کر کے اپنے نام اعجاز ہی کو بحیثیت تخلص اپنایا۔ ان کے والد کا نام احمد حسن تھا جو محکمہ ریلوے میں اسٹیشن ماسٹر تھے ان کی پیدائش ۳ر فروری سنہ ۱۹۱۱ء کو بروز جمعہ پیلی بھیت کے دودھیا خورد ریلوے اسٹیشن کے قریب ریلوے کوارٹر میں ہوئی۔ اعجاز صاحب پولس کے محکمہ میں پولیس انسپکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ سنہ ۱۹۶۹ء میں ریٹائر

ہو کر وطن واپس آگئے۔

۱۹۲۷ء سے طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ شرفِ تلمیذ ۱۹۲۲ء میں علامہ احسن مارہروی سے ابر احسنی گنوری کی وساطت سے حاصل ہوا اور ۱۹۴۰ء میں احسن مارہروی کی وفات ہو گئی۔ آٹھ سال اصلاح لی اس وقت تک اعجاز صاحب سنجیدہ شعر کہتے تھے۔ وطن واپس آنے کے بعد ان کے ذہن میں تلخیاں کھٹکنے لگیں اور ایسے ماحول سے واسطہ پڑا جس نے ان کی طبیعت کو طنز و مزاح کی طرف مائل کیا۔ ۱۹۷۵ء میں طنز و مزاح کے کلام کا مجموعہ "پیش دستی" منظر عام پر آیا۔ جس پر ان کو ادبی انعام سے نوازا گیا۔ "گلِ صحرا" سنجیدہ کلام فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے اشتراک سے شائع ہوا اور اتر پردیش اردو اکاڈمی نے ان کو اس مجموعہ پر بھی انعام سے نوازا۔ اعجاز صاحب طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ سنجیدہ شاعری کی دنیا میں بھی نمایاں شخصیت ہیں۔ ان کا طنز اور مزاح ملاحظہ فرمائیں۔

خبردار اے پرستارانِ اردو ذوقِ ناقص سے
یہ بزمِ شعر رفتہ رفتہ نوٹنکی نہ ہو جائے

غیر کی بیوی اچھی مڈوائف — اپنی بیوی بھی ہو تو سسٹر ہے

اکڑ کر بولے اک نیتا کسم بائی طوائف سے
تمہارا دھرم پیسہ ہے ہمارا دھرم سیوا ہے
بڑی گستاخ تھی کہنے لگی بندھو تمہی سمجھو
وہاں پبلک میں پیسہ ہے یہاں پردے میں پیسہ ہے

تعارف کل ہوا اِک ڈاکٹر شاعر سے جب میرا
تو پوچھا میں نے ڈگری میڈیسن کی یا ادب کی ہے
نمایاں کر کے آثارِ سعادت چہرے پہ بولے
یہ ڈگری تو ملی ہے میری بیوی ڈاکٹرنی ہے

اِک اہل کار خیر سے پابندِ کار تھا
با وضع پر خلوص اطاعت گزار تھا
باایں ہمہ غریب ترقی نہ کر سکا
سارا قصور یہ تھا کہ ایماندار تھا

مقامی شاعروں نے جب کیا اِک بزم میں مدعو
سرِ فہرست کے ناموں میں اِک مسجد کے مولانا
کہا قائد سے یہ فہرست پڑھ کے ہم نہ جائیں گے
بڑے نافہم ہیں ہم کو پروفیسر نہیں لکھّا

(ماخوذ نذرِ اعجاز ۱۹۹۷ء)

اسلم گنوری

نام اسلم حنیف ہے اور تخلص اسلم فرماتے ہیں۔ ان کے والد مرحوم کا نام ڈاکٹر عبدالقیوم تھا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو گنور میں پیدا ہوئے۔ اسلم صاحب سنجیدہ کلام کے علاوہ ہزل بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے گنور ہی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ آج کل گنور ہی میں ڈاکٹری کر رہے ہیں۔

گاؤں کے ہر موڑ پر عاشق لئے بیٹھے ہیں گواس

دن سے رستے سے گزرے اُن کا چہرہ دیکھنا

جب چمک جائیں گے بجلی کی کڑک سے لیڈر

بھول جائنگے گری نظروں سے چھپر دیکھنا

ہے ابھی سے تیز تر شیطان سے یہ ابن شیخ

سینگ بھی نکلیں گے اِک دن اسکے سر پر دیکھنا

ہجر کی لذت میں کھو کر تو اگر کنوارا رہا!

صحن میں ناچیں گے اِک دن تیرے بندر دیکھنا

میکدے سے مڑ اکھٹ کر شیخ صاحب آئے ہیں

ہر منٹ پر اب فضا ہوگی مکدر دیکھنا

لہ مڑا ۔ مٹر

(بہ شکریہ جناب ڈاکٹر اسلم گنوری)

اسیر شاہجہانپوری

سید احمد شاہ اسیر شاہجہانپور کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت حسن بریلوی کے تلامذہ میں تھے۔ نمونۂ کلام رسالہ "بہارِ بے خزاں" بریلی بابت نومبر ۱۹۰۳ء سے اخذ کیا گیا ہے۔ باقی حالات میسّر نہ ہو سکے۔

وہاں بزمِ عدو میں اُن کی چوٹی گُندھنے والی ہے
یہاں حسرت سے پھانسی گردنِ عاشق میں ڈالی ہے

کسی نے زلفِ پیچاں کھول کر شانوں پہ ڈالی ہے
خبر ہے عاشقوں کی آج پھانسی ہونے والی ہے

ٹرکین جانے والا ہے جوانی آنے والی ہے
اُبھرنے والے جوبن نے عجب سج دھج نکالی ہے

مری بالیں پہ میری حسرتیں مل مل کے روتی ہیں
اجل تسکین دیتی ہے کہ صحبت ہونے والی ہے

سوالِ وصل پر منہ پھیر کے جھنجھلا کے فرمایا
ارے کمبخت تو نے کیوں ہماری جان کھائی ہے

ہوا جب پی چکا سوزِ جدائی خون کا پیاسا
زباں تب ہاتھ بھر کی تیغِ فرقت نے نکالی ہے

مثیرِ خستہ کے مرقد پہ وہ رو رو کے کہتے ہیں
اسیرِ قیدِ تنہائی ترا اللہ والی ہے

(ماخذ "رسالہ بہارِ بے خزاں" بریلی ۱۹۰۳ء)
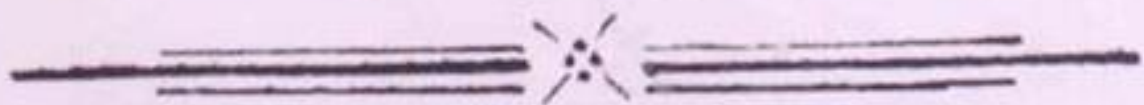
اِقبالؔ شیخوپوری

بداؤں کے اثرات سے شیخوپور جو بدایوں سے چار کلو میٹر دکن میں واقع ہے ادبی سرگرمیوں سے پُر رہا ہے۔ نوابین کی بستی ہونے کے سبب شاعری کا خوب بول بالا رہا۔ اسی ماحول نے ایک شاعر پیدا کیا جو اقبالؔ شیخوپوری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کا نام اقبال غنی فریدی تھا۔ یہ طنز و مزاح میں شعر کہا کرتے تھے اور اقبالؔ تخلص فرماتے تھے۔ اپنے احباب میں یہ اچھی میاں کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ اُن کے والد کا نام مقبول غنی فریدی تھا۔ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ دیگر رؤسا اور امرا کی طرح اقبالؔ صاحب نے بھی گھر پر ہی عربی فارسی اردو کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اقبالؔ صاحب ۱۸۷۶ء میں شیخوپور ہی میں پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی کے پچاس سال ہی پورے کر پائے تھے کہ آنکھیں دُکھنے سے نابینا ہو گئے اُن کا عقد مسنونہ انور حسین کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور اُن کا انتقال ہو گیا۔ دوسری شادی قصبہ گورامئی ضلع بدایوں سے کی تھی۔ جن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ جو آج کل پاکستان میں مقیم ہیں۔ انہی اولاد کے ہمراہ اقبالؔ صاحب بھی پاکستان چلے گئے تھے۔ اور پاکستان میں ۱۹۵۶ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ اُنھوں نے ابتدا ہی سے میاں جی علیم الدین سہسوانی سے اصلاح لی تھی۔

میاں جی علیم الدین کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اُن کے والد تعلیم دلانے کے واسطے ان کو دہلی لے گئے کیونکہ دہلی کو تعلیم کے لحاظ سے افضل سمجھا جاتا تھا۔ ایک درس گاہ میں ایک بزرگ کے سپرد کر آئے۔ تقریباً بیس سال کے بعد وہ اپنے بیٹے کو بلانے اُسی درس گاہ میں پہنچے اور بہت خوش

تھے کہ اُن کا بیٹا خاصی تعلیم حاصل کر چکا ہوگا۔ بیٹے سے ملے معلوم کیا بیٹا اب تو کافی پڑھ لکھ چکے ہوگے۔ بیٹے نے جواب دیا نہیں ابھی تو حقہ بھرنے اور گھر کا کام کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں سکھایا اور نہ کچھ پڑھایا ہے۔ والد کافی مایوس ہوئے اور اُن بزرگ سے بیٹے کو واپس لے جانے کی درخواست کی تو اُن بزرگ نے چلتے وقت اپنا لعاب دہن علیم الدین کے منھ میں لگا دیا۔ خدا کے فضل سے وہ ایسے عالم ہوئے جس کے آگے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اپنا سرنگوں کرتے تھے اور میاں جی علیم الدین نے تمام عمر مجذوبیت کے عالم میں بسر کی۔ اقبال صاحب کو ایسے ہی بزرگ کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور انھیں سے علم حاصل کیا تھا۔ اقبال صاحب حالات کے مطابق فوراً شعر کہہ دیا کرتے تھے۔

دو رؤسا میں مکان کا مقدمہ چل رہا تھا۔ اس دور میں شیخوپور میں دو مجذوب "پران میاں" اور "بیل میاں" موجود تھے۔ مقدمہ صحیح اور حق پر ہوا جو فریق بے ایمانی پر تھا۔ اس کا مکان گروا دیا گیا۔ اس سے متاثر ہو کر کہتے ہیں ؎

بیل و پران دونوں مددگار ہو گئے　　چونے کے ڈھیر اینٹوں کے انبار ہو گئے

اور فرماتے ہیں ؎

یہ کرشمہ تو دیکھئے بیل و پران کا　　جج نے دیا ہے حکم شکستہ مکان کا

معین الدین حیدر رئیس شیخوپور حج ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے ان کو خان بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ اس وقت حج کرانے کا سارا انتظام انگریز کلکٹر کے ہاتھ میں تھا۔ اس وجہ سے اہلِ اسلام اس سے خلاف تھے اور اعلان کیا گیا کہ کوئی شخص حج کرنے نہ جائے جب کوئی نہیں گیا تو انگریز کلکٹر نے معین الدین حیدر کو حکم دیا کہ آپ خود بھی حج کو جائیں اور دیگر افراد کو بھی اپنے ہمراہ لے جائیں

کلکٹر کے کہنے پر خان صاحب کو فوراً حج کو جانا پڑا اور مکہ سے ہی حج کر کے واپس چلے آئے۔ مدینہ نہیں جا سکے۔ جس سے متاثر ہو کر اقبال صاحب فرماتے ہیں۔

توبہ نہ کی کبھی بھی گناہوں کے سُقم سے
حج بھی کیا تو ایک کلکٹر کے حکم سے
(بشکریہ ماسٹر شہاب الدین صاحب شیخوپور)

امیر بدایونی

امیر الاسلام نام اور امیر تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام توقیر الاسلام تھا محلہ چاہ میر بدایوں کے ساکن تھے۔ امیر صاحب کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں بدایوں میں ہوئی تھی۔ اُن کی ابتدائی تعلیم مدرسہ میر محفوظ علی بدایوں میں ہوئی۔ اس کے بعد اسلامیہ ہائی اسکول سے تعلیم پوری کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے۔ امیر صاحب آج کل ڈپٹی ڈائریکٹر سروے آف پاکستان کوئٹہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کیونکہ مزاج میں ظرافت ہے۔ اس لئے طنز و مزاح میں شعر کہتے ہیں۔ امیر صاحب نے ذوقِ سلیم کے سوا کسی کو اُستاد تسلیم نہیں کیا۔ اُن کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اکبر کی پوتیوں سے کہا میں نے ایک دن
دادا کو آپ کے بڑے پردے کا درد تھا
کہنے لگیں کہ پردے کا اب ذکر چھوڑیئے
حق مغفرت کرے بڑا آزاد مرد تھا

ایک چھوڑ دیو، پھر ایک مارت کرو ہو
ہر سال یہ کیا قبلۂ حاجات کرو ہو
سمجھو ہو کہ سب اوروں کو تم اپنے برابر
بس منھ سے مساوات مساوات کرو ہو

دیکھ کر جھمکی مجھے پھر ایسی شرمائی کہ بس
یہ ادا اس کی مجھے ایسی پسند آئی کہ بس

شیخ کی نو وارده شاید رہی تھی فوج میں
رات گھر سے ہالٹ کی ایسی صدا آئی کہ بس
(تذکرہ شعرائے بدایوں پاکستان)

انجم فریدپوری

نام افضل بیگ ہے۔ تخلص انجم فرماتے ہیں۔ ان کے والد کا نام احمد حسین ہے۔ ان کی پیدائش ۱۹۳۹ء میں فرید پور ہی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم فرید پور کے انٹر کالج تک پوری کر کے روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے بی۔ اے پاس کیا۔ دلدار بیوروئی اور راز بجنوری سے اصلاح لی۔ کیونکہ طبیعت میں ظرافت تھی جس نے طنز و مزاح کی طرف راغب کیا۔ غزل، نظم، قطعات ان کی پسندیدہ اصناف ہیں۔

پتہ :- افضال بیگ انجم فرید پوری۔ محلہ پردھان گلی پلیا مسجد بینک آف بڑودا اسٹریٹ تحصیل فرید پور ضلع بریلی۔ یو۔ پی۔

نمونہ کلام :-

"آج کل"

پہلے بیوپاری دیا کرتے تھے اک پیسے میں چیز
آج کے اس دور میں ڈالر ہوا جاں سے عزیز
کل وداع کرتی تھی بیوی نیک تر خواہش کے ساتھ
آج کرتی ہے وداع شوہر کو فرمائش کے ساتھ
پہلے تو کتوں ہی کے پلّوں کا پپّی نام تھا
آج انسانوں کے بچّوں میں لقب ہے پیار کا
کل تو اصلی چیز کھا کر بھی بہت تھے مرضوں کا شکار!
آج نقلی چیز کھا کر بھی ہیں زندہ بے شمار
کل نمازوں کے قضا ہونے پہ ہوتا تھا ملال
آج پکچر شو نہ چھوٹ جائے یہ رہتا ہے خیال

پہلے بچّوں پر تھا لازم ہر بڑے کا احترام
آج بوڑھے کر رہے ہیں جھک کے بچّوں کو سلام
پہلے کُتّے کرتے تھے گھر بھر کی رکھوالی کا کام
آج کتّوں کے بنے ہیں ہم نگہباں صبح و شام
موت سے ڈرتے تھے ہم لیکن یہ کل کی بات ہے
زندگی سے آج لرزاں آدمی کی ذات ہے

ہے شریفوں کا نگر جیب سنبھالے رکھنا
غیر محفوظ ہے اِس کوچے میں پاکٹ یارو
اپنی ناکامی پہ غم کھا کے اُڑاؤ نہ مذاق
سب امیتابھ کی مانند نہیں ہٹ یارو
سوچنا پڑتا ہے تعلیم کا حاصل کیا ہے
قاف کو کاف پڑھے جب کوئی ڈی لٹ یارو
کس لئے اس کو ہی دعوت سے رکھا ہے محروم
اتنی زیادہ نہ تھی انجم کی کبھی ڈائٹ یارو

—————

ورثہ میں بزرگوں نے ہمیں جو بھی دیا ہے
اس کے ہی لئے قوم کا کیوں خون بہا ہے
یہ تاج یہ مسجد یہ قلعہ اور یہ مینار
کیوں فرقہ پرستوں نے بھلا چھین لیا ہے

—————

آج کے دور میں کوئی پاپی نہیں
گنگا جل سے نہائے ہوئے لوگ ہیں

—۔۔۔۔✲۔۔۔۔—

جمو کے اونچے نام بہت ہیں
ہم کو اُن سے کام بہت ہیں

بچے پڑھنے جائیں کیسے
ٹیوشن کے اب دام بہت ہیں
رشوت خوری، چور بازاری!
سرکاری انعام بہت ہیں
کمپیوٹر اب کام کریں گے
دفتر کو آرام بہت ہیں
رجنیشوں کی کرو غلامی!
عیش کے اونچے بام بہت ہیں
ووٹ تو دے دیں اُن کو لیکن
دل بد تو بدنام بہت ہیں
نسبندی کی خاک ضرورت
گیس کے سستے جام بہت ہیں
ایٹم بم اب راج کرے گا
جگ میں چرچے عام بہت ہیں
انجمؔ مونگ پھلی کی صورت
دیس میں اب بادام بہت ہیں

(شکریہ جناب دلدار جمبوندوی)

اوگھٹ مُرادآبادی

حضرت اُوگھٹ شاہ وارثی قصبہ بچھرایوں ضلع مُرادآباد کے باشندے تھے اور چشتیہ وارثیہ میں بیعت رکھنے کے علاوہ خود بھی معرفت کے شناور تھے۔ بقول مؤلف خمخانۂ جاوید آپ کی تصنیف میں فیضان وارثی نام رسالہ نظر سے گزرا۔ اس کے مطالعہ سے یہ امر آشکارا ہے کہ آپ کو کتب وارثیہ میں عبور حاصل ہونے کے علاوہ تصنیف اور معرفت میں خصوصی مذاق ہے۔ جب بھی سخن گوئی کا مذاق ہوتا اکثر اسی رنگ میں کہتے تھے۔ آپ نے بھجن دوہے اور گیت بھی کہے ہیں۔

نمونۂ کلام :۔

یہ دل ہے وہ مکاں جو لامکاں والے کی منزل ہے
وہ لیلیٰ ہے اُسی میں یہ اُسی لیلیٰ کا محمل ہے

لحد پہ آیا جو بعد مردن لگا کے ٹھوکر یہ بولا پُرفن
اسی پہ دعویٰ تھا عاشقی کا کہ بھاگے دنیا سے منہ چھپا کر

ایک خوش رُو سے محبت ہو گئی — دل لگی کی اچھی صورت ہو گئی

بوسۂ رخ کا جو میں سائل ہوا
ہنس کے بولے تو بھی اس قابل ہوا

ہے خالق ایک ہی اے بت یہ اپنی قسمت ہے
تو بے نیاز ہوا میں نیاز مند ہوا

لاکھ پردہ کیجئے ہوتا ہے کیا
آپ کی ظاہر حقیقت ہوگئی

سنتے ہیں واعظ کی میخانے میں آج
خوب دستارِ فضیلت ہوگئی

رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیا ہم نے
بتوں کو سجدہ کیا جان کر خدا ہم نے

بتوں کا عشق ہوا جب نصیب اے واعظ
کہ مدتوں کیا پہلے خدا خدا ہم نے

(بشکریہ جناب کامیاب ذکی)

ایمنؔ گنوری

قصبہ گنورؔ سحابِ سخن آبرؔ احسنی گنوری، حضرت مستؔ احسنی جناب رمزؔ آفاقی اور ڈاکٹر سیفی پریمی جیسی نادر شخصیتوں کا وطن ہے اسی سرزمین پر سلطان احمد ایمنؔ کا جنم ہوا۔ آپ کے والد کا نام لیاقت علی خاں تھا۔ اُنھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ آج کل لاہور پاکستان میں مقیم ہیں۔ آپ کسٹم آفیسر کے عہدے سے رٹائر ہو چکے ہیں۔ آج کل گھر پر ہی ادبی مشغولات میں مگن رہتے ہیں۔ ان کو کئی زبانوں پر دسترس حاصل ہے پنجابی، اُردو، عربی وغیرہ اپنے کلام پر اصلاح جناب شمشاد احمد مستؔ گنوری سے لیتے تھے۔ اُن کے کلام میں روانی اور مضمون نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اکثر اخباروں اور رسائل میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ ادبی حلقوں میں بخوبی جانے جاتے ہیں اور عوام اُن کا کلام بہت پسند کرتے ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام جلد ہی منظرِ عام پر آنے والا ہے۔

ایمنؔ صاحب نے پہلے سنجیدہ شاعری کی مگر طبیعت کا جو میلان ہے وہ کبھی ٹھہرنے نہیں دیتا۔ اپنی منزل پر ہی ٹھہرتا ہے لہٰذا سنجیدہ شاعری چھوڑ کر مزاحیہ انداز اختیار کر لیا اُنھوں نے دیہی زبان میں بھی کچھ غزلیں اور نظمیں کہی ہیں خاص طور سے وہ زبان جو جہلا استعمال کرتے ہیں اسی انداز میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

غزل (دیہاتی زبان میں)

درد کا ہے کھو کر بھیج دے ہے جالان کرنیاں
بے آئے ہیں بجم میں کتل کو سامان کرنیاں

سگرہ باجبت ہیں مسے بلاتن سوورٹ پلٹ بالن ہیں
بھیو لٹو وہی جن نے کبھی نہ کیوآن کرنیاں

مرے بیری کے ڈھنگ بیٹھے بیٹھے بلات تیکے گواون
جو پچھوری کم دیہ ڈاڑھی جھٹ سے پہچان کرنیاں

راتیے جھکوان تک بلات پیڑو ہم رہے دیکھت
اُتنے بے رات کبھو کیتلے چندر تان کرنیاں

تمہاری میٹھی بین میں کام ایتن کو کہا اب تو
ہمیں ناحک بکل لائے ہلاسی جان کرنیاں

۱ نیاں - بالم سیاں ۲ بجم - بزم ۳ بلات - بہت
۴ بالن - بڑے کمرے ۵ گواون - اس دن ۶ جھکوان - صبح کا جھونکا
۷ پیڑو - راہ، انتظار ۸ بکل لائے - پکڑ لائے۔

(بشکریہ جناب وارث علی صاحب ایڈوکیٹ کلکٹریٹ بدایوں)

اسلام

نام اسلام احمد تخلص اسلام وطن بہیڑی ضلع بریلی ہے۔ تاریخ پیدائش ۱۰؍جولائی ۱۹۴۹ء تعلیم ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی بریلی اور آگرہ سے کیا۔ پیشہ وکالت انجمن فیض عام بہیڑی کے صدر ہیں۔ انجمن حدالاولیاء بہیڑی کے جنرل سکریٹری اور بار ایسوسیشن بہیڑی کے سابق صدر بھی رہے جہاں دیگر مصروفیات ہیں وہاں ادب کی طرف بھی کافی لگاؤ ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

"سندسماچار"

پچھلے ہفتے شہر میں جھگڑا ہوا
لگ رہا تھا ہر کوئی سہما ہوا

رات دن جھڑپیں ہوئیں گولی چلی
فوج بھی امن و اماں کو آگئی

فوج نے آتے ہی کی حکمت بڑی
فائرنگ ہر سمت اندھا دھند کی

اصلی مجرم اپنے اپنے گھر گئے
سیکڑوں مظلوم بے گھر مر گئے

اگلے دن ایوان میں قصّے چھڑے
یوں وزیرِ داخلہ گویا ہوئے

واقعی افسوس ہے سرکار کو
کرتی ہے تسلیم اپنی ہار کو

چند لاوارث مسافر مر گئے
کچھ بدیسی ہاتھ دنگا کر گئے

کچھ علاقوں میں ابھی بھی ہے تناؤ
بھر رہے ہیں رفتہ رفتہ دل کے گھاؤ

روز مر جاتے ہیں دس بارہ نفر
ہو رہا ہے مرحلوں میں طے سفر

لڑنا مرنا تو ہماری خو میں ہے
کئی بلا کر استنجی تمباکو میں ہے

بشکریہ دلدار جیسپوری

اصغر حسین گلفام

اصغر حسین نام ہے اور گلفام تخلص فرماتے ہیں۔ والد کا نام نثار احمد ہے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۳۷ء کو محلہ سیّد باڑہ بدایوں میں پیدائش ہوئی۔ آج کل بیرون ٹولہ بدایوں میں وہ مقیم ہیں۔ گلفام ۱۹۵۰ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔ طنز و مزاح میں عوام کے ذہن و دل پر چھائے ہوئے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں شکیل بدایونی کے توسط سے فلمی کمیڈین جانی واکر کے یہاں ایک مزاحیہ مشاعرے میں بمبئی گلفام کو بلوایا گیا تھا۔ اس مشاعرے میں گلفام کو بہت پسند کیا گیا۔ مشاعرہ ختم ہو کے بعد جانی واکر نے گلفام کو کئی کئی بار سنا۔ اشعار تحت میں پڑھنے کا انداز بھی خوب ہے۔ اس دور میں نگار صاحب ہندوستان کے صفِ اوّل کے طنز و مزاح کے شاعر ہو چکے تھے۔ گلفام نے نگار صاحب کے علاوہ ظفر باب جام نوائی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ شعراء مختلف بحور میں غزل کہتے مگر گلفام نے جس بحر کو استعمال کیا ہے شاید ہی کسی شاعر نے استعمال کیا

ہے اس پہ ایک خوبی یہ کہ اس طویل بحر کو ترنم سے پڑھنا واقعی فن ہے۔ ان کے نمونۂ کلام میں سب سے پہلے وہی غزل پیش کی جارہی ہے جس کو پڑھ کر آپ بھی سکتہ میں پڑ سکتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

اب نہ تسکین کی پروا ہے نہ احساسِ تکالیف و بلا و خلش و صدمہ و اُفتاد و پریشانی و رنج و غم و آلام مجھے
تری محفل کے تصدق تری تنویر کے صدقے ترے جلووں کے تصدق تری تصویر کے قرباں کہ ہے آرام ہی آرام مجھے
مہربانی و سلوک و کرم و فضل و توجہ و عنایات و مدارات و مراعات سے کیا کام مجھے
حسرت و خواہش و ارمان و تمنا و دعا سے دلِ ناکام و شکستہ ہے اگر کچھ تو وہ بخشیں نہ غمِ عام مجھے
یہ ادائیں، یہ فضائیں یہ ہوائیں یہ گھٹائیں یہ نظارے یہ اشارے یہ ستارے یہ تکلم یہ ترنم یہ تبسم یہ بہار
آج منع ہے مشغلۂ ساغر و مینا و سبو و قدح و بوتل و پیمانہ و صراحی و خم و جام مجھے
نسبتِ خاقانی و لطفِ قمر و عیش و اثر و فوق و تولا و نظامی و زلالی و عطا میرے لئے کافی ہیں
غالب و مومن و اقبال و میر و ظفر و مصحفی و حالی و چکبست و سیماب سے کیا کام مجھے

قطعات

جب دل کے مسئلہ کا کوئی حل کیا تلاش
کچھ اتفاق باعثِ تاخیر ہو گیا
اب تک یہ فیصلہ ہی نہیں کس کا ہے یہ دل
گویا کہ دل بھی وادیٔ کشمیر ہو گیا

لٹھ تنے، بلّم بڑھے، تیغیں کھنچیں، خنجر اُٹھے
سیکڑوں آلاتِ حرب اِس دور میں مجھ پر اُٹھے
بلّیو! سمجھو کہ روٹی ختم، حصّہ غدرالبود
جب نیا انصاف فرمانے نیا بندر اُٹھے

گلفام قدرتی طور سے سیاہ فام ہیں جب وہ مندرجہ ذیل قطعہ پڑھتے ہیں تو عوام کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

کچھ اُن کی زلف و کاکل و گیسو میں پھیل دی
کچھ شامِ ہجر میں شبِ غم میں ڈھکیل دی
بعد اس کے کچھ بچی جو سیاہی دوات میں
سب منشیٔ ازل نے مجھی پر اُنڈیل دی!

اسی احول میں دوسرا قطعہ بھی ملاحظہ کیجئے ؎

مشرب مرا تفریح ہے خوش کام ہوں میں
آئینۂ فیضِ سخنِ خام ہوں میں
پریاں مجھے آنکھوں میں جگہ دیتی ہیں
صورت کہے دیتی ہے کہ گلفام ہوں میں

آئینہ ان کو دکھایا تو بُرا مان گئے
رنگ سے رنگ ملایا تو بُرا مان گئے
کہہ رہے ہیں کہ مرے کون ہو تم اے گلفام
میں نے داماد بتایا تو بُرا مان گئے

بُرا کہتے تھے مٹے کو وہ غلامی کا زمانہ تھا
یہ آزادی کے دن ہیں آج کل بیڈ تا کھی پیتے ہیں

چھمیا تری کمر بھی لچکتی ضرور ہے
تو ناچتی نہیں ہے مٹکتی ضرور ہے
نو مشق ہو صنم تو جھجکتا ہے خطرتاً
بڑھیا ہو گر نئی تو بدکتی ضرور ہے

(صفحہ ۵۷ پر پڑھئیے)

غلام حیدر آذر

نام غلام حیدر ہے اور تخلص آذر فرماتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام افضال حسین تھا۔ آذر ۱۹۲۶ء قاضی ٹولہ بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ اب وہ پاکستان میں ایک عرصہ سے قیام فرما رہے ہیں اور وہیں رہ کر انھوں نے کراچی یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کیا۔ رانی پور ضلع خیرپور میں وہ گورنمنٹ اسکول میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ آپ نے سنجیدہ کلام کے ساتھ ساتھ مزاحیہ اشعار بھی کہے ہیں جو نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں۔

دل ہے سوزش کا طلب، نارِ جہنم کی طرح
اب تو نشتر میں مزہ رہتا ہے مرہم کی طرح

تو نے اک جرم پہ آدم کو یہ دنیا دی تھی
مرتکب میں بھی جرائم کا ہوں آدم کی طرح

جیتے جی کرب میں تھے یا تھے بلا میں آذر
زندگی ہم نے گزاری ہے محرم کی طرح

ارزل کبھی ذیشان نہیں بن سکتا
دولت سے سلیمان نہیں بن سکتا
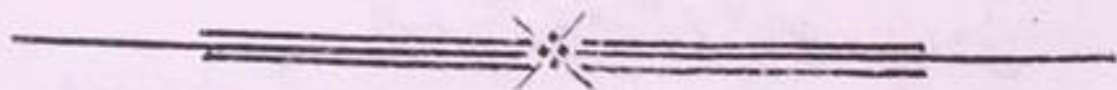
امجد بدایونی

امجد حسین نام اور تخلص امجد فرماتے تھے۔ امجد حسین سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ اُن کے والد کا نام قاضی فضل حسین تھا۔ کیونکہ قاضی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے زیادہ تر کلام نعتیہ ہے۔ اُن کا ایک مجموعہ "درِ بے بہا" وکٹوریہ پریس بدایوں سے شائع ہو چکا ہے۔ اُن کا ایک مجموعہ جو نعت، مناجات امیر الاقبال پریس بدایوں سے ۱۳۲۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

ان کا زیادہ تر کلام غیر مطبوعہ ہی رہ گیا اور برباد ہو گیا۔ اُن کے مزاحیہ کلام کی مطبوعات میں روٹی نامہ، پستوں نامہ، مکھی نامہ ۱۹۰۹ء میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کو اپنے والد صاحب سے ہی شرف تلمذ حاصل تھا اور شعر کہنے میں قدرت رکھتے تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے ؎

"روٹی نامہ"

کچھ شبہ نہیں آدمی کی جان ہے روٹی
سالن ہے اگر دین تو ایمان ہے روٹی

روٹی نہ ملے پلّے خزانہ بھی تو مر جائے
کس واسطے جینے کا تو سامان ہے روٹی

یہ کاریگری، چاکری، بیوپار کہ کھیتی!
ان سب کے نتیجہ کو تو پہچان ہے روٹی

جب بھوک میں گایا نہ گیا تب ہوا معلوم
سم تال سُر اور گٹکری اور تان ہے روٹی

بے کھائے کا منہ لال نہ ہو بلکہ ہو نیلا
ترکاری مصالحہ کو سمجھ پان ہے روٹی
قلیہ ہو یا دال ہو یا ساگ کہ چٹنی !
سالن جو نہ رکھا ہو تو سنسان ہے روٹی
ہے اس میں محققین کا اجماع یہ نادر !!
ہم نفع و ہم مایۂ نقصان ہے روٹی
سب عشق و محبت ہیں بھرے پیٹ کی باتیں
عشاق کی حاکم شہ خوباں ہے روٹی
کس شکل سے صل علیٰ صورت لفظی
الٹو کبھی تو سیدھی رہے وہ نان ہے روٹی
زاہد کی مددگار اور عابد کی معیں ہے
بدفعلوں میں گر حامیٔ شیطان ہے روٹی
جیسی کہ گئی پیٹ میں ویسے کٹے پور کھ
دانا ہے کبھی اور کبھی نادان ہے روٹی
یہ ذات وہ ہے جس سے کہ ہے حفظ مراتب
اخلاق ادب سب کی نگہبان ہے روٹی
جو رنگ ہو جو ڈھنگ ہو جلوہ ہے اسی کا
دربار نشیں روٹی ہے دربان ہے روٹی
بے تیرے نہ ہوتا کوئی ممنون نہ محسن !
دنیا میں تری ذات کا فیضان ہے روٹی
جس شکل مدور نے ہے سب خلق کو گھیرا !
دانا ہے تو اس شکل کو پہچان ہے روٹی

بے کھلائے نہیں سوجھتی ہے صحبتِ عشرت
دریائے جہاں کے لئے طوفان ہے روٹی
حکمت سے بھری ہے کوئی کونا نہیں خالی
کمزوری کی بیمار کی دربان ہے روٹی
جو اس میں ہیں اوصاف بیاں کیا کرے امجدؔ
بس پیٹ میں رکھ لینے کی شایان ہے روٹی

"مکھّی نامہ"

ہو گئیں امسال ہیں کثرت سے پیدا مکھیاں
سانس کبھی لینے نہیں دیتی ہیں اصلا مکھیاں
منہ میں یوں جاتی ہیں جیسے کوئی اپنے گھر میں جائے
شوخ ہیں بیباک ہیں اور بے حجابا مکھیاں
جس جگہ جس چیز میں دیکھو وہیں موجود ہیں!
دن میں دھاوا بولتی ہیں شب میں چھاپا مکھیاں
ناک میں دم ہو گیا ہے اس قدر افراط ہے
پیٹ کا کرنے نہیں دیتی ہیں دھندا مکھیاں
ہاتھ یوں چلتے ہیں جیسے جیسے اُڑتا ہے پرند
کیا لگاتے آدمیوں کا ہیں نقشا مکھیاں
کھانے میں داخل ہیں اور پانی میں بھی موجود ہیں
کام کا سامان کرتی ہیں نکمّی مکھیاں
ہانکتا چوہری سے ہے کوئی، کوئی رومال سے
اور کوئی پنکھے سے ہے اپنی اُڑاتا مکھیاں

لیٹ جاتا ہے کوئی تنگ آکے اپنا منہ لپیٹ
جانِ مُردہ اس پہ لاتی ہیں سراپا مکھیاں
مر گئے سب آدمی بھوکوں کے مارے کال سے
کیوں ہوئیں کیا جانیے اس درجہ پیدا مکھیاں
چار پائے چار پائی کے ہیں لائق ہو گئے
سب کو اس گرمی میں کر دیویں گی ٹھنڈا مکھیاں
بال دُم کے کھال پٹھوں کی ندارد ہو گئی!
منہ ہیں لگواتی ہیں کانوں کا طمانچہ مکھیاں
ہو گیا ہے گھوڑ نکارا صاف بچنا ہے مُحال
دیکھئے اب ہونے دیں کیسے گزارا مکھیاں
مکھیاں ہی مارتے ہیں بیٹھے سوداگر تمام
بیچنے دیتی نہیں پیسے کا سودا مکھیاں
تھی جو شیرینی کی دُکاں مکھیوں کی ہو گئی
بھر گئی ہیں خوانچوں میں کھا کے حلوا مکھیاں
دانے کی جا ہاتھ میں آجاتا ہے مکھی کا سَر
مالا اور تسبیح پر ہیں دانا دانا مکھیاں
کون ہے کنجوس کھانے میں تو مکھی چوس لے
ایک سا چاہیں ہیں اب سب کو بنانا مکھیاں
مکھیوں کی وجہ سے دن میں نوا ضع بند ہے
خوب مہنگے ہیں ہوئیں پیدا بہانہ مکھیاں
کیا کہے امجد نہیں مکھی سے خالی کوئی جا
کوئی دنیا میں ہے جا، ہوں نہ جس جا مکھیاں

احمد حسین اجہل

نام احمد حسین تھا اور تخلص اجہلؔ فرماتے تھے محلہ سوختہ بدایوں کے ساکن تھے۔ شرف تلمیذ قمر الحسن قمرؔ بدایونی سے حاصل کیا۔ اجہلؔ صاحب لمبے قد کے تھے اور پیر میں کمی ہونے کے باعث لنگ بھی کرتے تھے۔ اُن کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا۔ اُن کی ایک آنکھ میں بھی کچھ کمی تھی۔ جس کی وجہ سے بھینگے بھی تھے۔ اُن کا بولانی مجموعہ کلام نظامی پریس بدایوں سے شائع ہو چکا ہے۔ سنہ طباعت ۱۳۳۰ھ ہے۔ اس مجموعہ میں اُن کے استاد قمر الحسن قمرؔ بدایونی نے پیش لفظ کے طور پر کچھ عبارت فارسی میں بھی لکھی تھی۔ اجہلؔ کا کلام نمونے کے طور پر پیش ہے ملاحظہ فرمائیے۔

بہشت نامہ

ہوا گرم ہے پھول مُرجھا رہے ہیں
یہ ایسے میں اجہلؔ کہاں جا رہے ہیں

دھواں اُٹھ رہا ہے دہن سے ہمارے
مدینہ کی جانب کو ہم جا رہے ہیں

سمندر کئے طے اگن بوٹ میں
مگر اب تو رستے میں لنگڑا رہے ہیں

سواری ملے یا نبی ہم کو سستی
تمہاری زیارت کو ہم آ رہے ہیں

مصیبت میں اپنا نہیں دوست کوئی
گنہ بھی تو اب مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں

مرے دل میں ناسورِ الفت پڑا ہے
مگر اس میں بھی دل کو بہلا رہے ہیں

سنو شاعرو! نعت گوئی ہماری
خبردار! ہم شعر فرما رہے ہیں

اگر حوصلہ ہو تو میداں میں آئیں!
مقابل میں میرے جو اترا رہے ہیں

مضامین میں آبِ زم زم ملا ہے
قلم شاخِ طوبیٰ سے بنوا رہے ہیں

جو پوچھا فدائی تمہارا کہاں ہے
اشارے سے اجہل کو بتلا رہے ہیں

اجہل کو فرشتوں نے موقع سے پکڑا
وہ نعتِ نبی اس سے لکھوا رہے ہیں

شفاعت ہے یارانہ یا نانہ ہے یہ
گنہ گاروں کو اپنے بخشا رہے ہیں

فقیری کا بھیس آج اجہل نے بدلا
وہ اک کملی اوڑھے ہوئے آ رہے ہیں

دردِ جگر

فدا کیوں نہ اجہل پہ معشوق ہو
کہ درد اس کے ہے آپ چلا رہے ہیں

اجہلؔ کی جو شامت کے دن آ رہے ہیں
تو وہ اپنی ٹانگوں پہ اِترا رہے ہیں

دمِ ذبح سینے پہ زانو ہے اُن کا
نہ پوچھو کہ کیا کیا مزے آ رہے ہیں

اجہلؔ پر عتاب اُن کا اب ہو رہا ہے
وہ اب اُن کی باتوں سے گھبرا رہے ہیں

شبِ وصل دیکھی کلائی جو اُس کی
اجہلؔ کو نہ کل آئی گھبرا رہے ہیں

اجہلؔ ہی کی قسمت میں ہیں اتنے چکر
کہ ساتوں فلک جن سے چکرا رہے ہیں

گئی پھوٹ قسمت ہے اجہلؔ کی شاید
جو یوں سر کو اُس کے وہ ٹھکرا رہے ہیں

گلستاں

اجہلؔ نے آج پہنے ہیں شعر و سخن کے پھول
اُن کی مہک سے ماند ہوئے ہیں چمن کے پھول

باغِ سخن ہے اجہلِ نامی کا پُر فضا
مہکیں گے اُس کے سامنے کیا یاسمن کے پھول

احباب ہم کو سر پہ بٹھاتے ہیں شوق سے
اجہلؔ مدام رہتے ہیں ہم انجمن کے پھول

ہیں عرق عرق شرم سے کیا سروِ بوستاں
دیکھے جو اپنی آنکھ سے اِس گلبدن کے پھول

اُس پری رُو پر مسلّط ہر گھڑی گلفام ہے
صبح کے دامن سے وابستہ سوادِ شام ہے
وہ نگیٹو ہوں کہ جس کا پازٹو ممکن نہیں
دیکھ کے صورت مری چکّمہ میں طوطارام ہے

(طوطارام بدایوں کے مشہور فوٹوگرافر تھے)
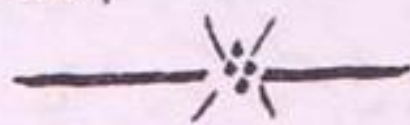
انسان کو بنائیے انسان ونس مور
ڈر ہے کہ بن نہ جائے یہ حیوان ونس مور
کل پھر وہ بزمِ خواب میں تشریف لائے تھے
ہم کو ہوئی تھی زیارتِ شیطان ونس مور
میری غزل کو سُن کے بھتیجے یہی کہہ اُٹھے
کیا شعر کہہ رہا ہے چچا جان ونس مور
مجھ کو اگر خدا نے دوبارہ جنم دیا!
دیدوں گا تم پہ جان مری جان ونس مور

گلفام کے مقام سے واقف نہیں ہیں لوگ
پیدا ہوا ہے ورلڈ میں لقمان ونس مور

ادائیں اُس شوخ کے اِک دو نہیں ہزار ہائی ہے
ایسے معشوق کو گلفام کا گُڈ بائی ہے

میں نہیں اور سہی، اور نہیں اور سہی
بندہ پرور کہیں اُس شوخ کو کمتائی ہے

بے بلائے مری دعوت میں چلے آتے ہو
تم کو یہ بھی نہیں احساس کہ مہنگائی ہے

لنگڑیاں بھی ہیں اپاہج بھی ہیں یک چشم بھی ہیں
اُن کے کوچے میں ہر اِک قسم کی پبلائی ہے

سبزی منڈی میں جو کل میں نے اُنھیں گھیر لیا
ہنس کے فرمانے لگے تُو تو مرا بھائی ہے

شعر تیرے ہیں ظرافت کے نمونے گلفام
لوگ کہتے ہیں کہ تُو نظم کا چغتائی ہے

نگاہِ گرم سے یوں ہو گیا ہے دل خراب آدھا
کہ جیسے سیخ پر چڑھتے ہی جل جائے کباب آدھا

سُنا جاتا ہے نصف بہتر بھی کہا جاتا ہے بیگم کو
تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ شوہر ہے خراب آدھا

محبت کی پریکشائیں کبھی پہلی منزل آئی
ہوا ہوں امتحانِ عشق میں میں کامیاب آدھا

جناب جانی واکر سے مجھے یوں بھی عقیدت ہے
مرے معشوق سے ملتا ہے حضرت کا خطاب آدھا

بہ ایں اُمید ہم ایامِ حج میں بمبئی آئے!
کہ مل جائے قیامت میں ہمیں حج کا ثواب آدھا

سراسر گیٹ سے باہر تھا ٹانگیں گیٹ کے اندر
ہوا ہوں بارگاہِ ناز میں میں باریاب آدھا

مجھے دنیا میں صرف آدھی وفاؤں کا صلہ دیکر
وہ کہتے ہیں قیامت میں چکا دوں گا حساب آدھا

وطن تقسیم کر ڈالا اس آزادی کو کیا کہیے
اِدھر بھی انقلاب آدھا اُدھر بھی انقلاب آدھا!

دلیپ و راج اور نوشاد و جانی واکر و مینا
بغیر ان کے ہوا کرتا ہے پکچر کامیاب آدھا

مجھے یہ وہم ہے شاید مرا معشوق کانا ہے
کہ وہ جب بھی الٹتا ہے الٹتا ہے نقاب آدھا

رخِ گلفام کی کالک ابھی کچھ اور نکھرے گی
ابھی اس پیکرِ رعنا پہ آیا ہے شباب آدھا

باپ

ان کا نام مادھورام تھا اور باپ تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام بسنت رائے سکسینہ تھا۔ آپ ڈاکخانہ میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ اولاد میں ایک بیٹا ہے۔ جس کا نام جنگ بہادر جوہری اسعد ہے۔ مادھورام باپ کا انتقال ۵۵ سال کی عمر ۱۹۳۸ء میں بدایوں میں ہوا۔ آپ کو قمرالحسن قمر بدایونی اور جویا آنولوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ صاحبِ دیوان شاعر تھے مگر اس کا افسوس ہے کہ تلاش کرنے پر بھی ان کا مجموعۂ کلام کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ آپ اپنے دور کے بہت اچھے شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ رادھا سوامی مت سے تعلق تھا۔

نمونۂ کلام:۔

جسے باپ کو باپ کہنے میں شک ہے ۔۔۔ کوئی ناخلف ایسا بیٹا نہ دیکھا

ہمیشہ ٹکٹ پر اڑائیں پتنگیں! ۔۔۔ کبھی ہاتھ میں تیرے اچکا نہ دیکھا

وصل کی باپ ہو کیونکر خواہش ۔۔۔ یار امیت کہتا ہے بھتیجا مجھ کو

وہ تیرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں
مگر سب باپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

جز میرے ترا بوسۂ لب جس نے لیا ہو
اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو

(تذکرہ شعرائے غیر مسلم ۔ شاداب ذکی ۔ بدایوں)

بھگت فنائی

ذوالفقار حسین نام تھا۔ دوست واحباب میں محمد میاں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا تخلص بھگت فنائی تھا۔ والد کا نام حاجی محمد حسین تھا۔ محلہ فرشوری ٹولہ کے رہنے والے تھے۔ انگریزی دور میں پائیلٹ آفیسر رہے۔ اس عہدے سے رٹائرمنٹ کے بعد پاکستان چلے گئے اور حیدرآباد لیاقت کالونی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ پاکستان جاکر ڈبل ایم۔ اے پاس کیا، کرکٹ کے اچھے کھلاڑی تھے۔ بارہا پاکستان کی ٹیم میں شامل کئے گئے۔ انھوں نے بہت کم کلام کہا ہے مگر جو کچھ بھی کہا ہے بہت اچھا کہا ہے۔

بدایوں کے ایک طرحی مشاعرے میں بھگت فنائی بھی موجود تھے مصرع طرح تھا "شب ایک ہی کروٹ میں بسر ہو کے رہ گئی" مشاعرہ اپنے شباب پر تھا ایک شاعر نے مصرع پڑھا "شب ایک ہی کروٹ میں بسر ہو کے رہ گئی" بھگت فنائی نے بلند آواز میں مصرع ثانی فوراً لگا دیا۔

"کروٹ جو دوسری لی سحر ہو کے رہ گئی"

محسوس یہ ہوا کہ ظرافت پورے طور سے ان میں سمائی ہوئی تھی۔

نمونۂ کلام :۔

تھوڑی سی دھونس تھوڑا سا غصہ دکھا کے پی
جا اور بزمِ غیر میں بے کھٹکے جا کے پی
دیکھو تو ارشدی نے یہ کیسا غضب کیا
پی بھی تو اپنے باپ کی مرقد پہ جا کے پی
واعظ جو واعظوں میں بہت باوقار تھے
بوتل چھپا کے نیفے میں مسجد میں جا کے پی

کریں نہ کس لئے عقلِ انیسؔ پر ماتم
نشہ میں چور تھے ہاتھوں میں تھی چرس کی چلم
ہر اک کو روک کے کہتے تھے تھوک کر بلغم
خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
(تظمین انیسؔ)

غالبؔ یوں شکوہ سنج تھے بیوی سے کل کی رات
اے جانِ زندگی اے مری رونقِ حیات

بہرا تھا مجھ میں، اتنی نہیں تیری کوئی بات
بہرہ ہوں مجھ پہ اس لئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر
(تظمینِ غالب)

نہ راس آیا ہم کو ترا دیس غالب
پولس نے چلائے کئی کیس غالب
تب ہی تو فقط دے کے اک کھیس غالب
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
(تظمین غالب)

پسند آئی سرِ محفل مجھے ساقی کی معصومی
وہ میخواروں سے بولا ہے یہ آئینِ جنم بھومی
صلاحِ عام ہے ہر ایک کہ مصری ہو یا رومی
یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
اُٹھالے بڑھ کے جو پہلے تو بس مینا اسی کا ہے
(تظمین شاد)

لرزہ تھا ہاتھ پیر میں جاری تھی منہ سے قے
پوچھا کسی نے میر مزاج آج کیسا ہے
بولے شراب پی کے مرے ہوش گم گئے
لو ہاتھوں ہاتھ اب مجھے مانندِ جام مے
یا تھوڑی دُور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں
(تضمین میر)

سُرخ مَل مَل کا کرتا ہوگا اور پیٹنٹ کا جوتا
شکیل اللہ کے گھر بھی چھوٹو بن کے نکلیں گے
عطا کے ہاتھ راسیں ہوں گی جامی ہانکتے ہوں گے
جناب عیش جب مرقد سے بھینسا بن کے نکلیں گے

قید سے چھوٹ کے بھوکا نہیں مرنا مجھ کو
جیل میں کھانا تو آرام سے مل جاتا ہے
یاد آتا ہے جو بیگم کا اُڑن چھو ہونا
دل مجھے چھوڑ کر آلام سے مل جاتا ہے
لاکھ میک اپ سے چھپا لیں رخِ نقشیں اپنا
کیا کریلا بھی کبھی آم سے مل جاتا ہے
(بشکریہ جناب داماد بدایونی)

بدرؔ

یعقوب نام اور بدرؔ تخلص ہے۔ والد کا نام محبوب حسین انصاری ہے ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ محمود سعیدی سے شرفِ تلمیذ حاصل تھا۔ اُن کا مشغلہ صحافت رہا ہے۔ اُن کی نظموں، غزلوں اور قطعات کا مجموعہ ۱۹۸۲ء میں بریلی سے شائع ہوا۔ تذکرہ شعرائے سکندرآباد "شہر نقش" ۱۹۸۳ء میں سکندرآباد سے شائع ہوا۔ "نقشِ فولادی" جو اُن کا مزاحیہ کلام کا مجموعہ ہے ۱۹۸۶ء میں دہلی سے طبع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ غزل کا مجموعہ "نوکِ خار" طباعت کے مراحل میں ہے۔ ۱۹۶۶ء سے اُن کا ادبی سفر کا آغاز ہوا اور اس سفر میں متعدد اداروں کے لئے کتابچے ترتیب دیئے ہیں۔ اُن کے کلام سے اُن کے معیار کا خود ہی اندازہ فرمائیں۔

جانے پہچانے بھی افسوس نہ جانے ہم کو
ایسا جلایا دیا اُن کے پتا نے ہم کو
عشق کرنے کے ملے یوں تو ٹھکانے ہم کو
لیکن ابّا نے دیا گھر سے نہ جانے ہم کو
اِک پولس والے کو چھو غزلیں سنائی تھیں مگر
تھانے پہنچا دیا اتنی سی خطا نے ہم کو
اپنی قسمت تو وہاں پہ بھی رہی ناکارہ
حوریں زاہد کو ملیں اور زنانے ہم کو
ہم کو تقدیر سے بس اتنی شکایت ہے بدرؔ
نئے معشوق رقیبوں کو پرانے ہم کو

دمہ کے مرض میں یوں تڑپنا ضروری ہے
کہ سوکھی بھینس کو جیسے ہرا ضروری ہے

حکیم جی نے لکھا ہے یہ آج نسخے میں
مریضِ غم کے لئے بھونکنا ضروری ہے
ہمارے ساتھ تو سگریٹ بھی پی نہیں سکتے
عدو کے ساتھ مگر ناشتہ ضروری ہے
حسین شعر کہوں بھی تو فائدہ کیا ہے
کہ داد دینے کو اچھا گلا ضروری ہے
جو گوشت کم ہے تو ہنڈیا میں ڈال دے پانی
بدر کے واسطے بیگن بھُنا ضروری ہے

وہ وفاؤں کا مری ایسے صِلہ دیتے رہے
گالیاں غیروں کو منہ پر برملا دیتے رہے
مجھ کو شادی پر بلایا جانا اور گرو کو موت میں
میں بضد سہرے پہ تھا وہ مرثیہ دیتے رہے
سامنے والوں نے غزلوں کو مکمل کر لیا
اور ہم مصرعے کو بیٹھے قافیہ دیتے رہے
مجھ کو ٹرخاتے رہے آلو، ٹماٹر پر فقط
اور میرے دشمنوں کو قورمہ دیتے رہے
میں چھپا پھرتا تھا لیکن میرے دشمن اے بدر
قرض خواہوں کو مرے گھر کا پتا دیتے رہے

نعت پاک

بدرؔ کے نام کا ڈنکا بجا دو یا رسول اللہ
اِسے بھی شاعرِ اعظم بنا دو یا رسول اللہ
گدا کو بادشاہ ادنیٰ اشارے سے بناتے ہو
مجھے ایوارڈ دیوپی کا دلا دو یا رسول اللہ
دو عالم آپ کے قبضے میں ہیں کیا فرق پڑتا ہے
مری بیگم کا یہ عالم چھڑا دو یا رسول اللہ
اگر قسمت نے ہے کھوئی تو کسی درگاہ کا مجھ کو
بنا دو، صرف سجادہ بنا دو یا رسول اللہ

تم مجھ سے کرو پیار کا اقرار فٹا فٹ
گردن میں مری ڈال دو یہ ہار فٹا فٹ
ملنے لگا جو شربتِ دیدار فٹا فٹ
ہوتے گئے اچھے ترے بیمار فٹا فٹ
محفوظ رہیں اور نہ لٹے قوم کی عزت
بن جائیں جو ہم آہنی دیوار فٹا فٹ
لٹکا دیا کیوں عرضِ تمنا پہ بدرؔ کو
اقرار کرو، یا کرو انکار فٹا فٹ
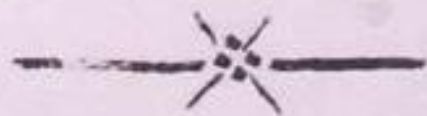
اُن کی آہیں اُن کے نغمے بے اثر دیکھے گئے
جلتے عاشق اُونگھتے وقتِ سحر دیکھے گئے

گھس گئے ہم تو بلا پرمٹ ہی اُن کی بزم میں
جب کبھی چوکیدار اُن کے بے خبر دیکھے گئے

اُن کے کوچے میں مجھے دیکھا تو دشمن نے کہا
توڑ دوں گا سر دوبارہ گر اِدھر دیکھے گئے

شاعری کی مجھ پہ تہمت کس لئے ہے دوستو
مبتلا اِس عارضے میں ڈاکٹر دیکھے گئے

اُس گلستاں میں بہاروں کا گزر کیسے ہوا
بے شمار اُلّو جہاں ہر شاخ پر دیکھے گئے

انتظاماً بند کر دے گی پولیس تم کو یار
اتفاقاً تم اگر ساقی کے گھر دیکھے گئے

جو ترنم سے غزل چوری کی لا کر گائے گا
داد کی وہ جھولیاں بھر بھر کے گھر لے جائے گا

ہاتھ گر اُستاد کے دیوان پر کر جائے صاف
وہ مقدر کا سکندر جانِ من کہلائے گا

سچ بتا جانِ پدر، جانِ جہاں کیا ہو گیا
کیوں نکل آئی ہیں تیری ہڈیاں کیا ہو گیا
پی گیا پھوکٹ میں گر کوئی یہاں کیا ہو گیا
توڑنے سے بوتلیں پیر مغاں کیا ہو گیا
ریڈیو پڑھتا نہیں، اخبار میں سنتا نہیں
تجھ کو کیا معلوم کب کیسے کہاں کیا ہو گیا
گرم بستر چھوڑنا تجھ کو گوارا کیوں نہیں
سن رہا ہے لیٹے لیٹے تو اذاں کیا ہو گیا

گھر سے چلے وہ آنکھوں میں کاجل کو ڈال کے
جیسے چلے شکاری دونالی سنبھال کے
لیڈر ہے کوئی، کوئی [illegible]، کوئی خستہ حال!
بچے جنے ہیں بیوی نے سارے کمال کے
پی کر شراب فکر کو ہم دونوں سو گئے
بنیے کے دام چڑھ گئے جب آٹے دال کے
مستی میں آکے یہ کہیں کپڑے نہ پھاڑ دے
دینا بادہ کو جام ذرا دیکھ بھال کے

شکایتوں کو اُٹھا کر تو پاندان میں رکھ
نئے جہان کی تعمیر پان دان میں رکھ
سُنا ہے کل نیا افسر بدل کے آیا ہے
چرس کی کوئی کبھی پڑیا نہ اب دُکان میں رکھ
سجا کے اس کو زمانے میں گھومتا کیا ہے
اگر حسین ہے بیوی تو پھر مکان میں رکھ
جو خر دماغ ہو اس کا علاج بس یہ ہے
اِلائچی کو چھُپا کر تو اُس کے پان میں رکھ
اُنھیں جو کرنل ہے مائل تو بدر ایسا کر
پھُریری عطر کی فوراً تو اپنے کان میں رکھ

فکر کرنے میں جو بیٹھا تو یہ بیوی نے کہا؟
کس لئے خاموش بیٹھے ہو میاں کیا ہو گیا
غم بھُلانے کے لئے تو لوگ پیتے ہیں چرس
پی رہا ہے اِس قدر تو بیڑیاں کیا ہو گیا

پنڈت کو ہاتھ میں نے دکھایا تو یہ کہا
گردش کے دن ابھی تو ہیں چھتیس سال کے
میں نے کہا کہ پھر تو قیامت قریب ہے
بولا قیامت آئے گی گردش کو ٹال کے

غزل دے کے ہفتوں رٹایا گیا ہوں
سفارش سے میدان میں لایا گیا ہوں
نہیں (ش) سے شاعری کی میں واقف
زبردستی شاعر بنایا گیا ہوں

چاند تک پہنچی ہے مہنگائی کسے آواز دوں
دنیا چکر میں ہے اے بھائی کسے آواز دوں
بھانجے چھ اور تینوں سالیاں، بیوی مری
ساتھ میں میکے سے لے آئی کسے آواز دوں

پڑ گیا اُلٹا اثر دنیا کے کاروبار پر

کر لیا غنڈوں نے قبضہ شہر کے بازار پر

تیری فرمائش کی خاطر شیروانی بیچ دی

اور پیسے خرچ کر ڈالے تری شلوار پر

ہم تو بھکڑ ہیں اٹھنی بھی نہیں ہے جیب میں

ہاتھ رکھنا پیار کا جا کر کسی زردار پر

میں ترا عاشق ہوں تیرے باپ کا نوکر نہیں

پیر کو آیا تو پھر لا مجھے اتوار پر

غیر تو بندوق سنگاپور سے لیکر آ گئے

ہے مسلماں کو بھروسہ ٹین کی تلوار پر

(بشکریہ جناب ساحر عثمانی بریلوی)
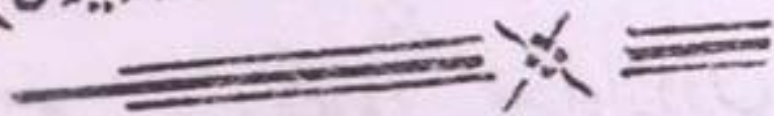
بے تکؔ گنوری

محمد فاروقؔ علی نام اور بے تکؔ تخلص فرماتے ہیں۔ گنوؔر ضلع بدایوں میں اُن کی سکونت ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کیا ہے۔ ابتدائی تعلیم گنور میں حاصل کی۔ اب گنوؔر میں وکالت کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام پیشِ خدمت ہے ؎

نزاکت دیکھئے اس سیم تن کی
اُٹھا لیتی ہے گٹھری تین من کی

ماخذ ظریف شعراء بدایوں
از طیبؔ بخش بدایونی
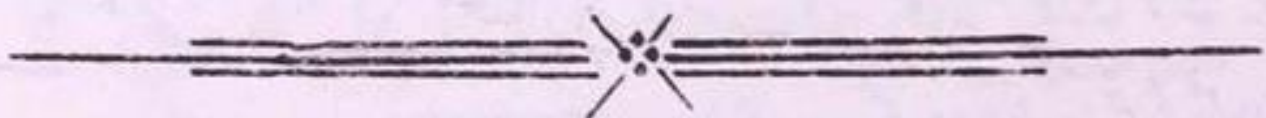
بے تک رامپوری

نام عجب نور خاں اور عرفیت چندا پیارے خاں۔ بے تک تخلص فرماتے تھے۔ اُن کے جدِ امجد گل نور خاں ریاست منیر وال (افغانستان) سے آکر رامپور میں بس گئے تھے۔ بے تک رام پوری ۱۹۰۵ء میں رام پور ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ۶۵ سال کی عمر میں ۱۷ اپریل ۱۹۷۰ء کو راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ بے تک صاحب مزاج کے اعتبار سے شوخ اور شریر تھے مگر بڑی جد و جہد کے انسان تھے۔ اُنھوں نے مختلف محکموں پر ملازمت کی۔ کبھی رام پور کی فوج میں انسٹرکٹر رہے اور کبھی ریاست رام پور ہی میں باغات کے داروغہ۔ آخر عمر میں رضا شوگر فیکٹری میں سپروائزر کی حیثیت سے کام کیا۔ بے تک صاحب شجرۂ نسب کے ساتھ ساتھ قد و قامت صورت و شکل اور چہرے مہرے سے بھی پٹھان تھے۔ اُن کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ اُن کے اشعار اُن کے لطائف اُن کی باتیں اور اُن کی حرکات و سکنات سے محفل لالہ زار ہو جاتی تھی۔ وہ جہاں کہیں پہنچ جاتے لوگ اُن کو دیکھ کر مسکرا دیتے تھے۔ شاعری میں جو چیز اہمیت کی ہے وہ اُن کی زبان ہے

جو بیک وقت دو متضاد کیفیات رکھتی ہے۔ اُن کے نام پر رامپور میں ایک سڑک بے تک روڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کے ایک صاحبزادے رئیس رامپوری ہیں جو غزل کے اچھے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں

ایک شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

وہ کہتے ہیں کسی دن تم سڑا پن کر کے چھوڑو گے
تمہاری آنکھ سکنجی ہے میں بے تک تم سے ڈرتا ہوں

مندرجہ بالا مقطع یہ واضح کرتا ہے کہ وہ اپنی بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔

فرماتے ہیں۔

عدو ڈاپا کیا کیا مگر جھانسا نہیں سمجھا
بڑا ہے فرق اے یارو نئے میں اور پرانے میں

وہ ساری گھاس جس دم کھا چکی ہے باغِ اکرم کی
گدھیا شیخ جی پھر آپ نے ہانکی تو کیا ہانکی

عدو کے ساتھ میں جاتے ہو گنگا میں نہانے کو
کسی دن ہو گا سر سے اونچا پانی دیکھتے جاؤ

مشغلہ اچھا ہے بے تک اپنی شہرت کے لئے
شاعری جس کو نہ آتی ہو وہ شاعر کر بنے

اُف معاذ اللہ میری ناکام نظروں کا فریب
دور سے آتی ہوئی بڑھیا کو کیا سمجھا تھا میں۔

بے اجازت بیٹھ کر کروٹ سے بوسہ لے لیا
یہ نفع پہنچا ہے اُلفت کر کے کافی سے مجھے

چالیس کی ہے عمر تو پچھتر کا ہیں لگے
بے تُک یہ حسیں عمر کو گھٹنے نہیں دیتے
(بشکریہ جناب رئیس رام پوری)

بیڈھب بدایونی

نام ایثار علی عرف نواب ڈولہ، تخلص بیڈھب فرماتے تھے محلہ چاہ میر بدایوں میں سکونت تھی۔ بہت ہی زندہ دل انسان تھے مگر ضعیفی وقت سے پہلے پورے طور سے غالب آ چکی تھی۔ بیڈھب صاحب ۱۸۹۴ء میں بدایوں ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ مولانا قمر الحسن قمر بدایونی کے شاگرد تھے۔ قمر بدایونی کے شاگردوں کا کلام "ثقۂ ظریف" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ جس میں بیڈھب اور اُن کے اُستاد بھائیوں کا کلام موجود ہے اُن کا ذکر "تذکرۂ خندۂ گل" میں مولانا آسی نے بھی کیا ہے۔

نمونۂ کلام:-

حمدِ خدا میں بے ڈھب زورِ قلم دکھانا
ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر اُٹھانا

اِک آہ آستیں میں ڈبل کام ہو گیا
اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا

دو سیر باجرے کا ملیدہ اُڑا گئے — لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا — جو وائف کہے گی وہ بے شک کروں گا

اگر آپ دل مجھ کو واپس نہ دیں گے — تو میں آج مرنے کا دعویٰ کروں گا

اگر سخت جانی مری کام آئی — تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمہارا — بس اب آج سے خط کا سبزہ چروں گا

پڑھوں گا تو کیا میں ولایت میں جا کر — کسی میم سے اپنی شادی کروں گا

اگر ساس نے مان لی میری بیڈ ھب — تو میں بیاہ سے پہلے گَونا کروں گا

بارہا بیٹھ گئے ہار کے جنگی والے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا

عمر چالیس برس کی ہوئی اُن کی لیکن — آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا

سیب انناس کو چٹ کر کے وہ بولے بیڈ ھپ — ہائے کچّا تھا مزیدار نہ ہونے پایا

آج کل بھی کیا بدایوں سے بریلی دور ہے

آپ انجن میں چلے آتے تو کچھ مشکل نہ تھا

آخرِ وقت ہر اک چیز مزہ دیتی ہے — قابلِ قدر ہے آموں کا بھدیاں ہونا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اِک زنانہ

اب کے جنم میں یارب عورت ہمیں بنانا

اس راگ پر سو لعنت یہ بھی ہے کوئی گانا

تانا دیم دیم درنا تا دار دیم دانا !!

دل میں اِترا نے ہو گیا غیر کو اپنا کہہ کر　　ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہو گا

تنگدستی کا یہی عالم رہا بیڈھب اگر
عید کے دن بھی مزہ آجائے گا رمضان کا

رات یہ اندھیر کیا بزمِ بُتِ پُر فن میں تھا
غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا
(تحفۂ ظریف قمر بدایونی)

بیڈھب شاہجہانپوری

بیڈھب کے والد کا نام عظمت اللہ خاں تھا۔ محلہ بارہ دری شاہجہانپور میں رہتے تھے۔ غریب گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے مگر لڑکپن ہی سے مزاج میں شوخی و شرارت تھی محکمہ ڈاک تار میں پوسٹ مین تھے اور اسی محکمہ سے رٹائر ہوئے تھے۔ شاعری میں مشہور شاعر حضرت مختار میاں مختار کے شاگرد تھے۔ سادہ اور روزمرہ زبان میں شعر کہتے تھے۔ اُن کا دیوان اُن کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا مگر طبع نہ کرا سکے مدت تک اُن کے صاحبزادے کے پاس اُن کا دیوان رہا۔ بیڈھب صاحب کے ایک دوست شجاعت اللہ خاں اُن کا مجموعۂ کلام شائع کرانے کے وعدے سے پاکستان لے گئے جہاں وہ برباد ہو گیا۔ اُن کا جو کچھ کلام دستیاب ہو سکا ہے پیشِ خدمت ہے۔ ملاحظہ کریں۔

اُن کے منہ تک جو لگا لی جائے گی — آبِ کوثر سے کھنگالی جائے گی

ننھے کھیرے پپلیے بیگن چاہیئے — ایک کم سن کو یہ ڈالی جائے گی

سر ٹپکتے دیکھ کر مجھکو کہا — کیا یہ چوکھٹ توڑ ڈالی جائے گی

ہم اسی حسرت میں بوڑھے ہو گئے — کب ہماری خورد سالی جائے گی

مئے کے پی جانے کو بوتل چاہیئے — پردے ہی میں پردے والی جائے گی

عشق میں ہے جان کی پروا کسے — جائے لے بیٹھے جو سالی جائے گی

قطعہ

پہلے کچھ کھچڑی اُبالی جائے گی — پھر رکابی میں نکالی جائے گی

گھی میسر آگیا تو واہ واہ! — ورنہ چٹنی ہی بنالی جائے گی

دشمن اس طرح شبِ وصل مسلسل آئے — کبھی پسو، کبھی مچھر، کبھی کھٹمل آئے

وصل کی حضرتِ ناصح نے بتادی تدبیر — آپ کے واسطے دودھ کے رساول آئے

مجھ سے وہ بیر بہوٹی کو دکھا کر بولے — اِس نمونے کی مرے واسطے مخمل آئے

آج تو حضرتِ واعظ نے کرم فرمایا — لمپ ہٹ جائے ذرا دیر کو کمبل آئے

بیٹھے بیٹھے اُس شوخ نے یہ کہہ کے دولتی جھاڑی
نہ کسی کام کا ڈھب آئے نہ اٹکل آئے

وہاں سے لوٹ کر جو باپ کو بھی بھول جاتے ہیں
عجب کیوں نہ ہو بیٹھے بیٹھے مجھے تعلیم لندن پر

شیخ جی اپنے تقدس کا بیاں کرتے رہے
اور ہم مٹھو میاں مٹھو میاں کرتے رہے

شوخیاں کرنے کے خوگر شوخیاں کرتے رہے
یار خاں کا کام جو تھا یار خاں کرتے رہے
دن دہاڑے اُن کے کوچے میں فغاں کرتے رہے
آپ اِدھر دیکھیں یہ ہمت یار خاں کرتے رہے
لوٹنے والوں نے لوٹا خوب لطفِ اتفاق
ہم تھے دیسی لال قوت رائیگاں کرتے رہے
عمر بھی کیسے نبھی کیسے نبھائی کیا کہیں!
جو کہا بیوی نے وہ بیڈھب میاں کرتے رہے
(بشکریہ جناب مبارک شمیم صاحب شاہجہانپوری)

بیدم

نام اُلفت رام اور تخلص بیدم تھا۔ کائستھ گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ پٹیالی سرائے میں مکان تھا۔ یہ ایک وکیل کے یہاں محرر تھے۔ آپ نے شادی نہیں کی تھی۔

بیدم مزاحیہ کلام کہتے تھے۔ آپ کے کلام میں فحش نگاری بہت نمایاں ہے۔ بیدم کے تین شعر پیش خدمت ہیں۔

تمہارے سامنے بیدم وہ کیا بیچیں گے پودینہ
وہ اک کیاری کے مالک ہیں یہاں سارا چمن اپنا

ایک بڑھیا مول لی سارا اثاثہ دیکھ کر
پھول ہم نے چن لیا اچھے سے اچھا دیکھ کر

اُن کی رغبت دیکھ کر بیدم سنگاڑوں کی طرف
لے لیا ہم نے بھی ٹھیکہ پورے ساگر تال[1] کا

[1] بدایوں کا مشہور تالاب ہے جس کے کنارے پر حضرت سید احمد صاحب والد بزرگوار حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار ہے
(تذکرہ شعرائے بدایوں)

بیتاب

منشی گردھاری لال نام تھا اور بیتاب تخلص کرتے تھے۔ آپ کے والد کا نام منشی پوشاکی لال تھا۔ بیتاب کا تعلق کائستھ گھرانے سے تھا۔ باس دیو سہائے خبر بدایونی کے شاگرد تھے۔ پٹیالی سرائے میں مقیم رہے۔ ۱۹۲۱ء میں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ کافی کوشش کے باوجود ان کے مزید حالات نہیں مل سکے۔ چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ جو اُن کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

نمونہ کلام:۔

کہا اُن سے نہانے کو تو بولے اب کے بھادوں میں
جگہ پوچھی تو فرمایا چھند[2] و کھر ہو کہ ساگر ہو

یہ خط دینا وہاں قاصد کہ جس گھر کا یہ منظر ہو
در و دیوار سب غائب ہوں دو تھنیوں پہ چھپر ہے

تفرقہ پڑ گیا ہے وصل میں اب وصل کیوں کر ہو
وہ کہتے ہیں جو خوش پر راضی ہیں میں کہتا ہوں گھر پر ہو

[2] بدایوں کے دو بڑے تالابوں کا نام ہے۔
(ماخوذ تجلیات سخن) (تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں۔ شاداب ذکی)

بچّن شیخوپوری

نام فہیم الدین خاں ہے۔ مزاح میں تخلص بچّن ہے اور سنجیدہ شاعری میں خان فہیم کے نام سے متعارف ہوں۔ والد کا نام منشی سمیع الدین خاں تھا یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو شیخوپور میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم شیخوپور میں پائی۔ ہائی اسکول اسلامیہ انٹر کالج ▬ سے کیا۔ آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے اور روہیلکھنڈ یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ بی ۱۹۸۰ء میں کیا۔ رسالہ "لمحے لمحے" سہ ماہی بدایوں کا مدیر ہوں۔ سنجیدہ کلام ابتدا سے ہی کہتا رہا ہوں۔ ظرافت میں بھی شعر کہنے کا شوق ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے ؎

یہ پہلا کام میں نے کیا اُن کے پیار میں
ساری دکان اپنی لٹا دی اُدھار میں

یوں دل سے نکلتی ہے سدا کوئے یار میں
دھن جیسے نکلتی ہے الیکٹرک گٹار میں

بڑھ کر لحاف ڈال دو للہ پیار کا
عاشق ٹھٹھر رہا ہے تمہارا تسار میں

اُف کتنا چٹ پٹا ہے حسیں رخ کا ذائقہ
جیسے تتیا مرچ پڑی ہو اچار میں

بڑا کے بھانڈا پھوڑ دیا خود ہی پیار کا
رودادِ عشق کہہ گئے ساری بخار میں

چڑھتا ہی جا رہا ہے ذہانت کے پیڑ پر
وہ بات اب کہاں رہی گودڑ گنوار میں
بچپن کی جیب ہی کسی شاطر نے کر دی صاف
آنکھیں جھپک رہی تھیں جب اُنکے خمار میں!

پاگل علی پوری

قاضی جلیل الدین قصبہ علی پور بدایوں کے ساکن ہیں۔ تخلص پاگل فرماتے ہیں۔ والد کا نام قاضی نعیم الدین تھا۔ جنوری ۱۹۱۶ء میں علی پور ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ اُردو مڈل جونیر ہائی اسکول علی پور محلہ سے پاس کیا۔ جناب عبدالقیوم مسرور غزنوی سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ پاگل پندرہ سولہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ تقریباً دس سال سے علی پور ہی میں چائے کا ہوٹل ہے۔ جو اُن کا ذریعۂ معاش ہے جہاں علی پور کی ادبی شخصیات جمع ہوتی ہیں ان کے کئی شاگرد علی پور میں موجود ہیں۔

اُن سے ایک مسلمان پٹواری نے رمضان کے مہینے میں خاصی رشوت لے لی جو پاگل صاحب کے طبع نازک پر گراں گذری۔ اور فرمایا۔

کھلی کیا خوب پٹواری کی قسمت ماہِ رمضاں میں
بجائے پانچ کے دو سو لی رشوت ماہِ رمضاں میں

سوئیاں خوب پکیں گی اُڑے کی خوب بریانی
کئی جیبوں سے کھینچی ہے جو رشوت ماہِ رمضاں میں
ہلوے جبّہ و دستار سے مرعوب مت ہونا
کہ ہم دن میں کبھی کھا لیتے ہیں دعوت ماہِ رمضاں میں

اب رات بسر کرنے کا سادھن بھی نہیں ہے
افسوس یہاں کوئی پڑوسن بھی نہیں ہے
میکے کو خبر بھیج کے اک فوج بُلا لی
اور گھر میں کہیں نام کو راشن بھی نہیں ہے

انھیں ایک مرغے کی دعوت کھلا دو
اگر پیر جی سے دُعا چاہتے ہو
بڑھاپے میں اس درجہ رنگین باتیں!
کہ اب بار تم بھی پچا چاہتے ہو

تشریح شین کے وہ مارتے ہیں ماسٹر صاحب
تلفظ دیکھتے افسوس کا افشوش ہو جانا

"شاعر یا گویا"

سُر میں آواز نہ ہونے کی گھٹن ہے مجھکو
شعر ناکارہ سہی ذوقِ سخن ہے مجھکو
کاش میں بھی کوئی مشہور گویا ہوتا
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

"شاگردی"

کیا بیت اُستاد کے دل پہ کیا گزری
میں تو دھرتی میں گڑھ گیا یارو
کل کچہری پہ جیب کتری میں
ایک نیتا پکڑ گیا یارو!

"قومی ایکتا"

ہائے افسوس تو نہیں سمجھا ایکتا کا یہی تو جب امہ ہے
میرا دونوں سے پریم ہے پاگل ایک دھوتی ہے ایک پاجامہ

(بشکریہ جناب حبیب سوز علا پوری)

پرچم امروہوی

سرزمینِ امروہہ نے ایسے ایسے ادیب اور شاعر پیدا کئے جن کا نام رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ اسی سرزمین میں جناب پریم کبھی پرچم لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن کا نام محمد مہدی ہے اور تخلص پرچم۔ ان کے والد کا نام محمد منور ہے۔ امروہہ کے ساکن ہیں۔ پرچم صاحب نے کسی سے مشورہ سخن نہیں کیا۔ ان کے ذوقِ سخن اور مسلسل کوشش نے اُن کو اِس منزل تک پہنچا دیا ہے۔ پرچم صاحب آئی۔ ٹی۔ آئی میں چند روسی میں ملازمت کرتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۹۳۹ء کو ہوئی تھی۔ تعلیم گھر پر ہی حاصل ہوئی اردو اور ہندی بخوبی پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے مزاج میں ظرافت ہے اس لئے شعر بھی ظریفانہ ہوتے ہیں۔ شعر گوئی میں ابتدا سے ہی ظرافت کی طرف مائل ہیں۔

نمونۂ کلام:-

ایک شادی کے علاوہ دوسری شادی نہ کی
پھر بھی تو نے گلے میں ٹانگ پھندے کر دیئے
گھر میں دو انڈے تھے جن سے کچھ مجھے امید تھی
وہ پرانی مرغیوں نے مل کے گندے کر دیئے

آج ابا کہہ رہے تھے باز آ جاؤ میاں
ہم حقیقت سب سمجھتے ہیں کہاں جلتے ہو تم
رات میں جگنو کے کاشانے میں بھی موجود تھے
ہم جہاں جلتے ہیں نالائق وہاں جاتے ہو تم

اک لفنگا کہہ رہا تھا ہو گیا سب کھیل ختم!
چلتے چلتے یہ بھی چوپٹ میرا دھندہ کر دیا
کتنی آشا ئیں تھیں جھگڑوں اور مناروں سے مجھے
کچھ پڑھے لکھوں نے سب ماحول گندہ کر دیا

کیا چیز تھی وہ اس کی حقیقت نہیں کھلی
کل سے اسی خیال سے بس عین غین ہوں
حلیہ تو کہہ رہا تھا غزالہ ہے یہ کوئی!
اس کا یہ قول تھا کہ تغزل حسین ہوں

ہنس ہے پرچم خستہ کو گاڑنا مشکل
میں پتھروں میں بھی پرچم کو گاڑ آیا ہوں
مشاعرہ ہے مگر یہ مشاعرہ کیا ہے
کئی مشاعرے پہلے اُکھاڑ آیا ہوں

روک لو

چودھری کا سب کلام سناؤں گا روک لو
آؤں گا بے بلائے ہی آؤں گا روک لو
کیسے نہیں ہے میری ضرورت تمہارے گھر
ہر جلسے میں ٹانگ اڑاؤں گا روک لو
میں کیوں کروں تلاش کسی فن شناس کو
بھینسوں کے آگے بین بجاؤں گا روک لو

دعوت میں صرف مجھکو بلاتے ہو ٹھیک ہے
میں سارے خاندان کو لاؤں گا روک شو

مت مانو حاسدو مجھے استادِ محترم
میں خود ہی اپنا جشن مناؤں گا روک شو

کہتے ہو پھر آتا ہوں مسجد سے جوتیاں
میں تو نماز پڑھنے کو آؤں گا روک شو

کیا دخل ہے کسی کو مرے کاروبار میں
زخموں کو اپنے گھر میں نچاؤں گا روک شو

جتنا کہو گے تیرا ترنم خراب ہے
اتنا ہی چیخ چیخ کے گاؤں گا روک شو

پرچم مشاعرہ ہو یا کوئی نشست ہو
اک بھینس اپنے ساتھ میں لاؤں گا روک شو

(بشکریہ جناب پرچم امروہوی)

ٹھانسو

انوار حسن نام تھا۔ تخلص ٹھانسو فرماتے تھے۔ محلہ براہم پور بدایوں میں سکونت تھی۔ اُن کے والد کا نام اقرار حسین تھا۔ کلکٹری بدایوں میں بحیثیت کلرک ملازمت کرتے تھے۔ شعر گوئی سے اُن کو فطری لگاؤ تھا اور ہزل گوئی میں تو اُن کو کمال حاصل تھا۔ ان کے طنز و مزاح کے نشتر سماج کے غلط ماحول کا آپریشن کرتے تھے۔ اردو مڈل پاس تھے۔

اُن کا رنگ گندمی، جسم چھریرا، میانہ قد تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، کتابی چہرہ اس پر خشخشی داڑھی تھی۔ چشمہ لگایا کرتے تھے۔ اکثر کرتہ اور پائجامہ میں دیکھے جاتے تھے۔ مگر کبھی کبھی شیروانی یا کوٹ بھی زیب تن رہتا تھا۔ بینائی بہت کمزور تھی کاغذ آنکھوں پر رکھ کر دیکھا کرتے تھے۔ جناب قمرالحسن قمر بدایونی سے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے۔ خاموش اور کم سخن مگر حلقۂ احباب بذلہ سنجی اور شگفتہ مزاجی اور لطیفہ گوئی کا عجیب عالم تھا۔ محلہ براہم پور فانی محل کے قریب چھوٹا سا پختہ مکان تھا۔ اُن کی شاعری میں تار بابو علامتی لفظ ہے مطلب انصار برادری کا فرد

کوشش کے باوجود ایک شعر دستیاب ہو سکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تار بابو سا س پر آماں کی لتھو ہو گئے
سید ہے مومن کہتے نہ سمجھے یہ مری نانی ہوئی

(بشکریہ جناب سیفی پریمی صاحب)

ٹیلر پیلی بھیتی

محمد عبد الستار نام اور ٹیلر تخلص تھا اور وہ پیشے کے اعتبار سے بھی ٹیلر تھے۔ تعلیم پرانے زمانے کے مطابق قرآن مجید پڑھا۔ اور درجہ دوئم تک حاصل کی۔ بقول ٹیلر صاحب اس زمانے میں "آمد نامہ" اور "النور پہیلی" و "گلستاں" پڑھائی جاتی تھی۔ ان کو شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ ان کے والد کا اسم گرامی کریم بخش تھا جو محلہ فیض اللہ خاں پیلی بھیت میں مقیم تھے۔ ٹیلر صاحب ۱۷؍جون ۱۸۹۷ء کو پیلی بھیت میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ دور نوابین کا دور تھا۔ وہی عیش و عشرت کی باتیں وہی تنگی چوغے کا ذکر جو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ ٹیلر صاحب کی روبیا ضیں ان کے پوتے حسن میاں سے دستیاب ہوئیں۔ جن میں ان کا پرانا کلام ہے۔ ٹیلر صاحب کو شرف تلمیذ حضرت حافظ پیلی بھیتی سے حاصل تھا۔ اُن کی نظموں کے مطالعہ سے ان کی خدا داد ذہانت اور اُن کی شاعرانہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ ٹیلر صاحب کا ۱۹۳۵ء کے بعد کا کلام جو اُن کی شاعری کی جان اور پختہ گوئی کی مثال تھا دستیاب نہ ہو سکا۔ ۱۹۲۱ء تک کا جو اُن کا ابتدائی کلام کہا جا سکتا ہے صرف وہی دستیاب ہوا ہے۔ اس سے بھی کلام کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ عام طور سے طنز و مزاح کے شعراء میں غیر ضروری مضامین ملتے ہیں مگر ٹیلر صاحب نے اپنی شاعری میں فن کی نزاکتوں اور لطافتوں اور زبان و محاوروں کا پورا خیال رکھا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے طرحی مشاعرے میں ٹیلر صاحب نے ایک شعر پڑھا تھا جو آج بھی لوگوں

ے ذہن میں محفوظ ہے۔ اُن کی زبان میں ریختی کا بھی چٹخارہ ملتا ہے۔

اغیار سگے سب اس کے ہیں گو اُس کا گھیرے رہتے ہیں
جب اُس کے گھر میں پہنچا گجنت نے کتا چھوڑ دیا

اُن کے کلام میں ماضی کی یاد کے ساتھ ساتھ تاریخ کی عکاسی بھی ملتی ہے اور ایجادات کی تصویر بھی نظر آتی ہے۔

قلم ماضی ہوئے رائج ہوئی تحریر لوہے کی
زباں قاصر گرامو فون سے تقریر لوہے کی

گھڑی بھی عجب چڑیا ہے رکھیں جیب میں جس کو
گلے میں باندھ کر چھوٹی سی اک زنجیر لوہے کی

ٹیلر صاحب کے شعر سے پتا چلتا ہے کہ پہلے کا بینی کی شکر مشہور ہوگی فرماتے ہیں۔

نباتِ کابینی کیا تمہاری بات کے آگے
تمہاری بات کرتا ہوں تو شیریں ہونٹ ہوتے ہیں

ٹیلر صاحب کے کلام کا مطالعہ کرنے سے دیگر ممالک کے واقعات کی عکاسی کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں کابل کا ذکر کرتے ہوئے نظم لکھی تھی جس میں دکھایا گیا ہے کہ کابل کے ایک بادشاہ سیر کو گئے۔ اُن کی عدم موجودگی میں ایک بچہ تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ بعد میں وہی بچہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اِس نظم کے دو شعر ملاحظہ فرمائیے۔

بچے کی تاب کیا تھی جو کرتا مقابلہ — ہتھیار پھینک پھانک کر زیرِ جبال گئے
نادر شاہ بن گئے افغان بادشاہ — جنرل سُنے ہے وعدے سے اپنے پھسل گئے

ٹیلر صاحب نے اپنے دور میں فیملی پلاننگ پر ایک عمدہ شعر کہا ہے ؎

بڑھ کے بچوں نے گھٹایا دال روٹی کا مزا
رفتہ رفتہ بڑھ گیا ہانڈی میں پانی اور بھی

اس طرح سنہ ۱۹۳۰ء میں جرمنی میں پن ڈبی کی ایجاد پر فرماتے ہیں ؎

ابر بیگانہ ملک کے دم بھر میں دھوئیں اڑ جائیں گے
جرمنی میں چل گئی کشتی دو خانی اور بھی

وہ خود اپنے اشعار کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

مرے اشعار ٹیلر حاصل کشت نصیحت ہیں
ظرافت اس کو سمجھے کوئی یہ موقوف ہے ظرف پر

ان کی فطرت میں شہرت اور خود نمائی بالکل نہیں تھی۔ بہت سادہ طبیعت کے انسان تھے ۲۷ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء کو دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے ان کے شاگرد رشید حضرت مجید پہلی بھیتی مشہور ہیں۔ ٹیلر صاحب محلہ فیل خانہ کے قبرستان میں دفن ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

کیوں اٹھاؤں میں ترے ناز کے بنڈل اے دوست
میں تو ٹیلر ہوں ترے باپ کا مزدور نہیں

والد پہ چاہیئے تھی اکنی کمہار کی	مٹی اٹھا کے لے گیا میرے مزار کی
ہوں سیکڑوں عدو تو نہیں اس کا ڈر مجھے	یکساں ہیں سو سنار کی اور اک لہار کی

شرارت میں بھلا کب کوئی مجھ سے جیت سکتا ہے
کہ استادی کا حق حاصل کیا ہے میں نے شیطاں سے
کبھی چڑھنے نہیں دیتا مجھے وہ اُن کی چوکھٹ پر
کہ میری ٹیا ڈپٹی ہو گئی ہے اُن کے درباں سے

جوڑ ڈالا یار کے میں نے گلے میں ہار کلیوں کا
تو کلیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں سینے سے مل مل کر
ابھی تو بور آیا ہے بہار آموں کی آنے دو
تو ٹیلر خوب آپس میں چلیں گی گٹھلیاں چھلکے

ملے کیا خاک کوئی ایسے بے غسلے سنیچر سے
جو منہ بھی دھو نہیں سکتا نومبر سے دسمبر تک

کسی موقع میں اک دن میں چچا تجھکو بتاؤں گا
اٹھایا تو ہے تو نے مجھ کو درباں یار کے در سے

شیخ صاحب درِ میخانہ جو دا پاتے ہیں
بے دھڑک باپ کے گھر کی طرح گھس جاتے ہیں
ہار جوتوں کے وہ پہنلکے یہ فرماتے ہیں
حولِ دل کے لئے تعویذ دیئے جاتے ہیں
کیا کہوں تم سے ہوا نخت شب کا احوال
کیا کیا یہ جھاڑو پھیرے مردوے کر جاتے ہیں

اس زمانے میں چلو ٹیلر تو تم ایسے چلو
جیب بھی دیکھے ہوئے تھامے ہوئے دستار بھی
اگر رقیب کو ہر روز و شب بخار آئے
تو میرے دل کو بھی کچھ کچھ موا قرار آئے

گالیاں کھاتے ہیں اپنوں کی برابر ہو کر
سارے کھلتے ہیں جو روگے برادر ہو کر
کبھی کاٹوں کبھی چھاڑوں کبھی ٹانکے ٹیلے
کورے کپڑے نہ تجھے چھوڑوں گا ٹیلر ہو کر

بھنگ ہے میں نے آج تو پھرتے ہو ساتھ ساتھ
معلوم ہو گیا کہ لنگوٹی کے یار ہو

صبح دم مجھکو زیارت جو ہوئی کانے کی
شام تک شکل بھی دیکھی نہ کہیں کھانے کی

ریختی کا انداز بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

کیا کہوں تم سے میں قصہ کہ ہوا کیا کیا کچھ
سچ تو یہ ہے کہ بڑا بات ہے مر جانے کی
تری گھوڑی سے تو اچھی ہے میری بائیسکل
گھاس کی فکر ہے کچھ مجھکو نہ کچھ دانے کی

اثر دیکھو عدو کی صبح ہوتے مر گئی نانی
وظیفہ رات جو میں نے پڑھا تھا چڑھ کے پاکڑ پر
(بشکریہ جناب نشاط پیلی بھیتی)

جوہر بدایونی

ذوالفقار حسین عرف محمد میاں تخلص جوہر تھا۔ والد کا نام محمد حسین تھا۔ محلہ مولوی ٹولہ بدایوں میں سکونت تھی۔ ہجرت کر کے پاکستان پہنچ گئے تھے۔ وہاں حیدرآباد سندھ میں پائپ کمپنی میں ایڈمنسٹریٹو Administrative آفیسر ہو گئے تھے۔ ۱۹۸۵ء ۶۵ سال کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔ حیدرآباد سندھ میں ہی اُن کا انتقال ہوا۔ مزاح میں شعر کہتے تھے۔ اُنھوں نے مولوی حسین توالا کے شعر پہ مصرعے لگائے۔

نمونہ کلام۔

یا مرچ مصالہ مانگا تھا یا راش کھٹائی مانگی تھی
تکیہ کوئی اُن سے مانگا تھا یا کوئی رضائی مانگی تھی
میں نے تو ذرا سی چیز فقط کل میکے بھائی مانگی تھی
تھا قیدِ تعین کا شکوہ زنداں سے رہائی مانگی تھی

وہ روٹھ کے یوں بیٹھے جیسے بندے سے خدائی مانگی تھی

شوکت علی خاں فانی کے ایک شعر پر مصرعے لگائے ہیں۔

باپ نے فانی سے پوچھا رکھ کے کندھے پہ ہاتھ
کچھ بتاؤ منھ سے بولو کیا ہوئی ہے واردات
دوست کی خفگی کے باعث تم نہ سوئے ساری رات
میں بتاؤں مجھ سے پوچھو یہ تو ہے ادنیٰ سی بات
میں نے فانی ڈوبتی دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

(قمرالحسن قمر بدایونی کی کتاب ثقہ ظریف سے اخذ کیا گیا۔)

جھنجھٹ نجیب آبادی

نام شکیل الرحمٰن خاں اور تخلص جھنجھٹ فرماتے ہیں۔ والد کا نام منشی پیارے خاں راز تھا جو مُراد آباد کے متوطن تھے۔ مراد آباد سے ہی انھوں نے ہائی اسکول ۱۹۳۹ء میں پاس کیا۔ ان کی زندگی کا زیادہ عرصہ ننھیال دھام پور ضلع بجنور میں بسر ہوا اور وہیں سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ۵ جولائی ۱۹۲۹ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں قصبہ نجیب آباد کے انٹر کالج میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ آپ نے ۱۹۴۲ء کی جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا جس کے سبب فرنگی حکومت نے بہت اذیتیں پہنچائیں بھارت سرکار ان کو سیاسی پنشن دے رہی ہے ۱۹۴۴ء میں ایم۔اے کیا اور لاہور سے ادیب فاضل اور ۱۹۵۱ء میں جامعہ اُردو سے ادیب کامل پاس کیا۔ ۱۹۴۵ء میں غالب اکیڈمی نجیب آباد قائم کی۔ سرپرستی خود فرما رہے ہیں اُن کا شعری مجموعہ "عکسِ شعور" ۱۹۸۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مجموعۂ کلام شعرائے ضلع بجنور ترتیب دیا ہے۔ ابتدا میں سنجیدہ کلام بھی کہا ہے جس میں بیشمار غزلیں اور نظمیں ہیں۔ پھر طبیعت مزاحیہ کلام کی طرف راغب ہوئی۔ اور طنز و مزاح میں بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اکثر اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے ان کے کلام کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

نمونۂ کلام

ایک دُعا

خدایا بنا دے وزیر و سفیر
نظر آؤں خاقہ زدوں کا امیر

مرے چیلے چانٹوں کو بستا ادر کثیر
سبھی کچھ عطا ہو نہ دینا ضمیر

فقط یوجنائیں بناتا رہوں
غریبوں کو وعدے کھلاتا رہوں

بنانا نہ رانجھا کسی ہیر کا   عطا ہو قلمدان کشمیر کا
چڑھے سر پہ جادو وہ تقریر کا   کلنڈر پہ چھپے میری تصویر کا

گھڑ و نچی کو میری گنڈے بخش دے
سواری کو رحمٰن گمٹے بخش دے

میں ہوں تیرا اک بندۂ ہوشیار   جتا دے الکشن دلا کر ادھار
ہو رہنے کو کوٹھی سیافت کو کار   ملے مال پیتو کسٹ کا پروردگار
ڈنر قوم کے غم میں کھایا کروں   ہوا کھلانے لندن کی جایا کروں
دھواں اس قدر ہو بیانات کا   گماں دن میں ہونے لگے رات کا

حریفوں کو آنکھیں دکھاتا رہوں
اسمبلی میں جوتا گھماتا رہوں

طبیعت کو چکنا گھڑا بخش دے   میں چمچوں کو گھر عیش کا بخش دوں
بھتیجوں کو کچھ مرتبہ بخش دوں   کئی قاتلوں کی سزا بخش دوں

محبّوں کو عہدے حریفوں کو جیل
چھچھوندر کے سر میں چمیلی کا تیل

بن بُلائے مہمان

کل بعد نصف شب کے جو مہمان آگیا   سب سو رہے تھے چین سے طوفان آگیا
واللہ بعد عید کے رمضان آگیا   بھونچال کی گرفت میں جاپان آگیا

پلٹن تھی ایک ساتھ مستورات کے سوا
جیسے نئے تھے غدر ملاقات کے سوا

طوفان بدتمیزی جو کوئی نہ ٹل گیا   ماحول گھر کا ریل کے ڈبہ میں ڈھل گیا
اک شورِ ناگہاں سے محلہ دہل گیا   فیرنی کی پلیٹ پہ بچہ مچل گیا

میک اپ میں غرق تھیں جو حور عین کی
تا صبح پھر نہ آئی گھڑی کوئی چین کی

روز جزا سے کم نہ تھا اگلی سحر کا حال
سونے سے کم عجیب تھا زرِ دیگرہ کا حال
کھلتا تھا پیکدان سا دیوار و در کا حال
بیت الخلا سے کم نہ تھا کوڑے سے گھر کا حال

جب ناشتے کا وقت ہوا بم سا پھٹ گیا
سامان ایک ماہ کا پل میں نپٹ گیا

دو دن میں آنجہانی ہوئیں میز کرسیاں
ٹوٹی پڑی تھیں طوطے کے پنجرے کی تیلیاں
پیاری ہوئیں خدا کو گھڑوں کی گھڑونچیاں
داغِ جدائی دے گئیں لوٹوں کی ٹوٹیاں

تصویر تھی لحد کی مسہری نواڑ کی
روڑا تھا چول چول میں اک اک کواڑ کی

ضد تھی یہ دولہا بھائی سے شاپنگ کرائیے
بچوں سمیت رکشے میں پکچر دکھائیے
کیفے کا بل چکائیے کافی پلائیے
رونے کے موڈ میں ہو تو بس مسکرائیے

رکھیے خیالِ خاص مدارات کے لیے
راشن کو شکر کیجئے بارات کے لیے

اس میں نہیں کلام وہ مہمان تھے ضرور
کھا کھا کے دندناتے تھے نیت میں تھا فتور
گھس پیٹھیے تھے پیٹو تھے بے صبر بے شعور
نرغے میں سب مکان کے مکیں تھے بلا قصور

ایک ایک اُن کا لقمہ تڑپ دیکھتے رہے
دیکھا نہ جا رہا تھا مگر دیکھتے رہے

غزل

یاد تنخواہ آتی رہی رات بھر
سر کو بیوی کھجاتی رہی رات بھر
سر میں الہام کا بینڈ بجتا رہا
شاعری دندناتی رہی رات بھر
کر کے میک اپ نیا بیوہ زندگی
مانگ اپنی سجاتی رہی رات بھر

یار ایک ایک کر کے کھسکتے رہے
نیند ٹھینگا تو کھاتی رہی رات بھر
گیس کا ہنڈا جلتا رہا قبر پر
دھوپ سی جھلملاتی رہی رات بھر

شاعروں کی منڈی

لیڈر ہے غم کی زلف کترنے کا موڈ تھا
شوقِ غزل میں حد سے گزرنے کا موڈ تھا
کچھ نام آوری کا اُبھرنے کا موڈ تھا
آل انڈیا مشاعرہ کرنے کا موڈ تھا

بن کر صبا نکل پڑا گلفام کے لئے
پیدا یا ترا ضروری تھی اس کام کے لئے

پہلے سے کر کے مرکزِ اُردو کا انتخاب
فنکار کی تلاش میں پہنچا وہیں جناب
اردو کا وہ جو شہر ہے عالم میں انتخاب
تھوڑے سے ایں جناب تھے کثرت سے آنجناب

ہوٹل میں صف بہ صف کئی شاعر جو مل گئے
کیچڑ میں جستجو کی کنول دل کے کھل گئے

دل کا پیام تاڑ گیا آشنائے دل
اُستاد ایک بھانپ گئے مدعائے دل
چپکی ہوئی بیاض تھی تن سے بجائے دل
یوں مجھ سے ہم کلام ہوئے کہہ کے ہائے دل

اِکلوتا شہر میں تھا چراغ آفتاب کا
ہاں کتنے شاعروں کا بجٹ ہے جناب کا

بڑھ کر ہے ایک ایک سے شاعر غزل سرا
شاعر ہیں قسم قسم کے پر ریٹ ہیں جُدا
خوردہ کا شرح کم ہے تو ہے تھوک کا بڑا
قلمی کا بھاؤ نرم ہے فلمی گراں بہا

انداز و ناز و عشوہ غمزہ میں طاق ہیں
کتنے ہیں ڈپلی کیٹ مگر اور فراق ہیں

ایسا ہے کون سا جو ترنم کی جاں نہیں
آل انڈیوں کا ریٹ بھی زیادہ گراں نہیں
اب مال کی کھپت بھی ہمارے یہاں نہیں
مشکل یہ آپڑی ہے کوئی قدر داں نہیں

دس بیس تو ایسے بھی ہیں شاعر کمال کے
رکھ دیں گے سامعین کلیجہ نکال کے

واللہ بجلیاں ہیں قیامت ہیں شاعرات
خوش رو ہیں خوش گلو ہیں خوش عادات شاعرات
حسن جمال قہر ہے آفت ہیں شاعرات
لیجاؤ شاعروں سے غنیمت ہیں شاعرات

جلتا ہے ٹھمریوں کا کفن اُن کے سامنے
پانی بھریں گے صاحبِ فن اُن کے سامنے

(بشکریہ جناب شکیل الرحمٰن صاحب جھنجٹ نجیب آبادی)

(تاخیر سے دستیاب)

عبدالمقتدر جوش

آپ کا نام عبدالمقتدر تھا۔ تخلص جوشؔ فرماتے تھے محلہ قاضی ٹولہ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ممتاز الشعرا جناب حاجی عطا محمد عطاؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کا کلام ان کے ورثا کی لاپرواہی کے سبب تلف ہوگیا۔ نمونہ کے طور پر اُن کی ایک غزل کے چند اشعار دستیاب ہو سکے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

اس درجہ بھی نہ کوئی کسی سے نفور ہو
جب اُن کے پاس جاؤ تو کہتے ہیں دُور ہو

حسن ملیح یار کا کُلیہ کا گڑ نہیں
وہ نور ہے کہ جس کی چمک دُور دُور ہو

شمشاد پائمال ہے تو سرو سرنگوں
تم ناز کا درخت ہو ملبی کھجور ہو

شوخی بھی جوشؔ چاہیے طبع رواں کیساتھ
رنگِ غزل میں لطفِ ظرافت ضرور ہو

(بشکریہ "ظریف شعرا بدایوں")

چونچ بدایونی

چونچ کا نام و حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کے بارے میں تذکرہ "خندۂ گل" میں مولانا عبدالباری آسی نے صفحہ ۱۸۸۔ ۱۸۹ پر تحریر کیا ہے۔ کوئی خوش مزاج بدایوں کے رہنے والے تھے۔ مولانا قمر الحسن قمر بدایونی کے تلامذۂ سخن میں تھے۔ ان کی ایک غزل رسالہ "اقتباس" سے حاصل ہو سکی ہے۔ جس کے چند اشعار منتخب کئے گئے ہیں۔

ہوتا ہے ڈھول ڈپا پنڈت میں مولوی میں
اور بی جمال خانم اِترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر
چاول پکا کے جا کر مرگھٹ پہ کھوپڑی میں

تم قتلِ عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا
اُلّو نہ بول جائے دنیا کے عاشقی میں

چونچ شاہجہانپوری

بابو رامیشور پرشاد نام تھا اور تخلص چونچ فرماتے تھے۔ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی تھے۔ اور شاہجہانپور کے قدیمی رہنے والے تھے۔ مزاح میں شعر فرماتے تھے۔ جس کی وجہ سے مشاعروں کی جان تھے۔ آخر عمر میں اپنے فرزند کے پاس چلے گئے تھے جہاں اُن کا انتقال ہوا۔ اُن کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہمیں وہ گرگٹوں کے رنگ میں شامل سمجھتے ہیں
کبھی مردہ، کبھی زندہ، کبھی بسمل سمجھتے ہیں

ابھی کمسن ہیں وہ کیوں وصل کی ہم آرزو رکھیں
ہم اپنا قصہ دل شاردا کا بل سمجھتے ہیں

نہ ہونے پر جو اُس کے مرچکے اُن کا تو کیا کہنا
کمر کے لفظ میں ہم کاف کو فاضل سمجھتے ہیں۔

پہلواں لوگ تیرے دست و پا پر جان دیتے ہیں
اسے مگدر سمجھتے ہیں اُسے ڈمبل سمجھتے ہیں

یہاں اشعار گیارہ چونچ لکھنے پر ہے پابندی
مگر ہم داستانِ ہجر بلبیرمل سمجھتے ہیں

(بشکریہ جناب مبارک شمیم صاحب شاہجہانپور)

(تاخیر سے دستیاب)

حافظ سہسوانی

نام حبیب الحسن تخلص حافظ تھا۔ مزاحیہ اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں پاکستان میں انتقال ہوا۔ آخر عمر تک حکمت کے پیشے سے وابستہ رہے۔ چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں ملاحظہ کیجئے ۔

نوکر ملا ہے عیبی بیوی ملی ہے کھوٹی
ہم تو ہلا دیں حافظ ارض و سما کے ٹکڑے

اے دوستو! بتاؤ کیسے ملے گی روٹی
پر کیا کریں کہ اپنی تقدیر ہی ہے کھوٹی

عجیب قسم کی یہ لڑکیاں ہیں رشتہ دار
الگ رہیں تو یہ سُلگیں ملیں تو جلنے لگیں

وقت باقی ہے بہت اُن کے یہاں آنے میں
بیقرار اتنا ابھی سے تو دلِ زار نہ ہو
آئے بن ٹھن کے پیئے سیر تو یہ کہنے لگے
ہم کو گھورے ہے تو خدا کا تجھے دیدار نہ ہو
شیخ جی جاتے تو ہو طفلِ برہمن کی طرف
جائے تسبیح گلے میں کہیں زُنّار نہ ہو

(تاخیر سے دستیاب)

حیرت بدایونی

نام سید حسن تخلص حیرت تھا۔ والد کا نام جناب محمد حسین تھا ۲۴ ر اگست ۱۸۵۶ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے مختلف جگہوں پر ملازمت کی۔ آخر میں حیدر آباد دکن چلے گئے۔ حضرت الحاج عبد القادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے توسل سے مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب شاد کے صاحبزادے کے اتالیق مقرر ہوئے آخر میں بلدیہ حیدر آباد میں ملازم ہو گئے۔ علامہ حیرت کا انتقال ۱۵ ر فروری ۱۹۳۵ء کو ہوا۔ درگاہ یوسفین میں آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔ اس درگاہ کے احاطے میں داغ دہلوی، اور امیر مینائی۔ فانی بدایونی اور جلیل مانکپوری بھی مدفون ہیں۔

حیرت صاحب مزاحیہ شاعری بھی کرتے تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں

آپ کی زلفوں نے دی اپنی پریشانی مجھے
آپ کی آنکھوں نے بخشی اپنی حیرانی مجھے

اب نہ ملنے کا تو میں نے کر لیا تھا فیصلہ
ڈال کر باہیں گلے میں کر دیا پانی مجھے

ڈال رہ تو آپ کی خاموش رہتی ہیں مگر
کہتی ہیں ہر وقت بوکس آپکی نانی مجھے

چلئے پانی کی جو دعوت ہو ملتا ہی نہیں
خود ہی جاتا ہوں جہاں ملتی ہے بریانی مجھے

(ماخذ: ظریف شعراء بدایوں)

(تاریخ ترسیل بیان بر تبصرہ)

شاطر بدایونی

نام مولوی رضا احمد والد کا مولوی حکیم نیاز احمد تھا۔ اور تخلص شاطر فرماتے تھے۔ بدایوں ہی میں پیدا ہوئے معزز شریف گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ اپنے والد سے فن خوش نویسی سیکھی اور اس میں کمال حاصل تھا۔ لطیفہ گوئی ان کی فطرت تھی۔ نکتہ سنج شاعر تھے۔ سلیس و سادہ گو تھے۔ بلند شہر میں وکالت کی بعد کو سہسوان میں وکالت شروع کی۔ آخر عمر میں اپنے وطن بدایوں میں آکر وکالت کی غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۹۱۰ء میں انتقال فرمایا۔ صرف سات اشعار دستیاب ہو سکے۔

گیسوئے پر شب گوں کا سودا ہو گیا
سامنا کالی بلا کا ہو گیا

ساقی تو بھر دے میرے پیالے کو بھنگ سے
گہری چھنے گی آج کسی سبزہ رنگ سے

گو ضد سے لاکھ بار کرے بے وفائیاں
لیکن خدا کی قسم تری عادت وفا کی ہے

اے اہل بزم حضرت شاطر کو دیکھیو
کیسے چلے ہیں بغلوں میں بغلیں داب کے

ٹھنڈا کریں گے مست ترے دن حساب کے
زیدے کے آفتاب کو چھینٹے شراب کے

کچھ ہو دل بیتاب وہ آئیں کہ نہ آئیں
نالے تو کئے جائیں گے امید اثر میں

فریاد ہے اے ناخن غم وقت مدد ہے
پھر درد کمی کرنے لگا درد جگر میں

(ماخذ ظریف شعراء بدایوں)

واقف مرادآبادی (تاجر سے ادیب تک)

سید یعقوب الحسن نام اور واقف تخلص فرماتے تھے ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو سنبھل میں پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے مدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ چونکہ طبیعت میں مزاح کا مادہ موجود تھا۔ اس پر پڑھنے کا ڈرامائی انداز اور بے ساختگی کے سبب فلم والوں کی نظر ان پر پڑی۔ ۱۹۴۸ء کے بعد بہت دن بیکار و پریشان رہے۔ آخری ایام میں کیمپ کالج اور دیال سنگھ کالج میں اردو پڑھانے کی ملازمت مل گئی تھی۔ وہاں سے الگ ہونے پر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ان کا پانچ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۹ء کو دہلی میں انتقال ہو گیا۔ رباعیات عمر خیام کا اردو ترجمہ اُن کی زندگی میں چھپ گیا تھا۔ اُن کا باقی کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

نمونۂ کلام:

اس ترقی کے زمانے میں بڑھی خوش فہمیاں
لڑکے البیلے بنے اور لڑکیاں البیلیاں
ریڈیو ہر گھر میں ہے یوں تو مچائے اک وبال
دیدنی پر آج سڑکوں پر نئی اک بھیڑ چال
کائنات شوق ہے یا وقت کی سوغات ہے
آج جس رسیا کو دیکھیں ٹرانزسٹر ساتھ ہے

(بشکریہ اردو ڈائجسٹ ۱۵ اپریل ۱۹۶۲ء)

اعلیٰ بدایونی

(بآخرسے دستیاب)

اعلیٰ بدایوں کے ساکن تھے۔ کسی تذکرے میں ان کا تعارف اور کلام نہیں مل سکا۔ خم خانۂ جاوید میں اُن کے دو شعر دستیاب ہوتے۔ اعلیٰ بدایونی تولا بدایونی کے بھائی اعلیٰ حسین کے علاوہ تھے۔ ان کے تبرکاً دو شعر پیش ہیں۔

اللہ ہے نگہباں اعلیٰ کی آبرو کا
منہ پر پڑا ہے اس کے جس نے فلک پہ تھوکا

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

(ماخذ ظرائف شعرائے بدایوں)

طارق امروہوی

(تاریخ سے دستیاب)

ڈاکٹر سید محمد طارق حسن نقوی نام اور طارق تخلص ۱۹۳۲ء کو امروہہ کے ایک معزز عالم خاندان میں پیدا ہوئے۔ آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ کیا۔ اور فارسی میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ اور میڈل بھی حاصل کیا۔ پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم۔ اے۔ کیا۔ اوّل آئے اور سنمرن تمغہ حاصل کیا۔ اور علی گڑھ میں ہی M.O.A درس تدریس دینے پر مقرر ہو گئے۔

نمونۂ کلام۔

بیٹھ جاتے ہیں جہاں دیگ گرم ہوتی ہے
ہائے کیا چیز نہاری اور نلی ہوتی ہے

ہو بھوک میں کیا شاعری ہاں بات عجب ہے
رکھ دے کوئی بھونا ہوا مرغا مرے آگے

مانگے ہے جو یہ خرچ تو چاہے ہے وہ قرضہ
بیوی مرے پیچھے ہے تو بنیا مرے آگے

غالب تو کیا جشن پہ ہاں اردو زبان کا
ہوتا ہے شب و روز تماشہ مرے آگے

دل قومیا لیا تو جگر قبضا لیا
لگتے ہو تم تو مرکزی سرکار کی طرح

(بشکریہ اردو ڈائجسٹ

سرکارِ عشق میں بھی ہونے کو ہے اڈ کشن
اب ہر ہوس کا بندہ آجائیگا کمی میں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک جب کہ اک دن
دُلہن منڈپ پہ ہوگی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اے جو نچ تجھ پہ ورنہ
یہ لاجواب باتیں اِتنی سی کھوپڑی میں

(تذکرہ شعرائے بدایوں
پاکستان)

پھوؔل بدایونی

پھوؔل صاحب کے حالات کوشش کرنے کے باوجود بھی حاصل نہ ہوسکے "محترم سیفی پریمی صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کو بچپن میں بدایوں کے مشاعروں میں سُنا ہے مگر عرصہ گزر گیا، اب کوئی شعر ذہن میں نہیں ہے۔"

(بشکریہ جناب سیفی پریمی)

پُوں چُوں

نام کفایت اللہ خاں تھا۔ پُوں چُوں تخلص فرماتے تھے۔ والد کا نام حمید اللہ خاں تھا۔ محلہ سرائے نو بدایوں میں سکونت تھی۔ ان کا پیشہ کاشتکاری تھا۔ بعد میں بمبئی چلے گئے تھے۔ واجبی تعلیم تھی۔ انیسویں صدی کے آخری ربع میں پیدا ہوئے تھے۔ بمبئی میں خطوط نویسی کیا کرتے تھے۔ مولوی قمر الحسن قمر کے شاگرد تھے۔ ان کا رنگ گورا تھا۔ آنکھیں چوندھیائی ہوئی تھیں۔ قد میانہ اور جسم گداز تھا۔ آواز بہت سُریلی تھی۔ ترنم سے کلام پڑھا کرتے تھے۔ ہلچل سے اکثر نوک جھونک رہتی تھی۔ ان کا انتقال ۱۹۴۲ء میں بدایوں میں ہوا تھا۔ چھوٹی زیارت یعنی حضرت شاہ ولایت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بن میں دفن ہیں۔ کوشش کے باوجود دو شعر ہی دستیاب ہو سکے ملاحظہ فرمائیں۔

کچھ کندھے کو لیے الگ الگ یوں اُنکے حرکت کرتے ہیں
جس طرح کہ ٹوٹی ڈھکلی پر دو سقّے پانی بھرتے ہیں

جھاڑو دینا کپڑے دھونا ہر حکم پہ بیوی کے چلنا
اب یہ تو اللہ ہی جانے وہ کیوں بیوی سے ڈرتے ہیں

یہ حسنِ تخیل ہے میرا یا عشق کی میں معراج کہوں
میری آنکھوں کے زینے سے وہ دل میں روز اترتے ہیں

ہوتا ہے جب اُن کا مطلب تو کہتے ہیں باپ گدھے کو وہ
جب بات کہوں میں مطلب کی وہ آنا کانی کرتے ہیں

سب کہتے "تمہاری گلیوں کے ہیں مجھ سے بہت مانوس کب اب
تم دیکھو نہ دیکھو ہم کو مگر اس رہ سے روز گزرتے ہیں

یہ کھٹیا چوں چوں کرتی ہے جب بیوی کروٹ لیتی ہے
ہر روز نہ ٹوٹے چول کوئی اس بات سے بیحد ڈرتے ہیں

بے ناک یہ کالے چہرے پر یا اُرد کی روٹی پر مینڈک
کمبخت وہ کال کے مارے ہیں جو تم پر اب بھی مرتے ہیں

حضرت چوں چوں صاحب کا رنگ کالا تھا اس سے کیا فائدہ اٹھایا ہے
ملاحظہ فرمائیے

سرکار پہ ہم کب مرتے تھے۔ سرکار پہ ہم کب مرتے تھے
یہ کالے کالے بادل ہیں جو چاند سے کھیلا کرتے تھے

چاند بدایونی

بدایوں میں سنجیدہ شعراء کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کے شاعروں کی بھی خاصی تعداد ہر دور میں نظر آتی رہی ہے جس میں چاند بدایونی بھی شامل ہیں۔ ان کا نام محمد احمد صدیقی ہے۔ اور تخلص چاند ہے۔ ان کی پیدائش سیتاپور میں ۱۹۳۲ء میں ۲۱ جولائی کو ہوئی ان کے والد کا نام مطیع احمد تھا۔ اردو ہندی مڈل بدایوں سے اور میٹرک کانپور سے پرائیویٹ طور پر پاس کیا۔ لال املی اولن ملس کانپور میں کلرک ہیں اور کانپور ہی میں مقیم ہیں۔ جناب شارق ایرایانی صاحب سے

آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان کا ایک کتابچہ فلمی چاند کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے جس میں فلمی ایکٹر و ایکٹریس پر طنز کیا گیا ہے۔ اکثر آل انڈیا مشاعروں میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

"باپ اُس کا"

خدا شاہد ہے مجھ کو چاند اس سے کچھ نہیں شکوہ
میں اس سے جو بھی کہتا ہوں وہ کہنا مان لیتا ہے
وہی کیا میں نے اُس کے سارے گھر کو پوٹ رکھا ہے
مگر وہ باپ اُس کا اب بھی لاٹھی تان لیتا ہے

کوئی تو شراب ہو کس پی رہا ہے = کوئی لالہ و گل کا رس پی رہا ہے
مگر چاند دنیا سے دامن بچا کر = اکیلے ہی بیٹھا چرس پی رہا ہے

وہی دن ڈھونڈتے ہیں عشرتوں کے
وہی راتیں سہانی چاہتے ہیں
جناب شیخ کا بچپن تو دیکھو
بڑھاپے میں جوانی چاہتے ہیں

"چنڈو خانہ"

کس کس کو دیوانہ کہئے ——— دہر کو پاگل خانہ کہئے

جس پر ڈال دے اُلّو سا یہ ــــ اس گھر کو ویرانہ کہیے
جب ہو کہانی کی فرمائش ــــ اپنا ہی افسانہ کہیے
اب ہے یہ دستورِ عدالت ــــ رشوت کو نذرانہ کہیے
کون نہیں اس شمع پہ لٹو ــــ کس کس کو پروانہ کہیے
جوشِ جوانی مست نگاہیں ــــ چھلکا ہوا پیمانہ کہیے
ڈالتے ہیں جو حق پر ڈاکے
چاند انھیں سلطانہ کہیے
(یہ اسلطانہ مشہور ڈاکو ہوا ہے)

"ٹیڈی لباس"

مشرق شناس ہے نہ وہ مغرب شناس ہے
اس کا ہر ایک فعل بعید از قیاس ہے
میں نے کہا کہ تنگ بہت ہے ترا بلاوز
کہنے لگی وہ ہنس کے یہ ٹیڈی لباس ہے

"تنقیدِ مخلصانہ"

ہر ایک بزمِ سخن اب قصائی خانہ ہے
بہار ہے نہ چمن ہے نہ آشیانہ ہے
یہ شاعری تو ملاقات کا بہانہ ہے
مجھے کسی کی نظر سے نظر ملانا ہے

ہم آج تاک میں بیٹھے ہیں دیکھئے کیا ہو
سُنا ہے روز اِدھر اُن کا آ جانا ہے
ابھی شباب ہے جی بھر کے عشرتیں کر لو
پھر اس کے بعد تمہیں بکریاں چرانا ہے
خُدا کرے کوئی اُن کی طرف سے یہ کہہ دے
کہ چاند اُن سے تجھے عشقِ غائبانہ ہے

"بَر تھ ڈے" (نظم)

فیشن ایبل ایک لڑکی سائیکل پر تھی سوار
غازۂ سُرخی سے تھا اس کی جوانی پر نکھار
تھی مٹر گشتی کی دُھن یا جا رہی تھی کام کو
تھا لباسِ مختصر اک زیبِ تن بس نام کو
وہ لباسِ مختصر سے اس قدر مانوس تھی
ایک چڈی اور بلاؤس میں فقط ملبوس تھی
تھا دوپٹہ بھی ندارد بال تھے بکھرے ہوئے
جسم کے اعضا نمایاں تھے سبھی ابھرے ہوئے
جس طرف جاتی اُدھر کہرام ہو جاتا بپا
ہر جوان العمر کہتا کیا ہے اس کا مدّعا
اک جگہ تھا راستے میں بھینس کا گوبر پڑا
سائیکل سے اُس کی انجانے میں دو ٹکڑے ہوا
کیک کی مانند گوبر بیچ سے جب کٹ گیا
منچلے عاشق نے اک تالی بجا کر یہ کہا

لو یہ ہیپی برتھ ڈے کا تحفہ ہے ٹو یو ڈیئر
سائیکل سے لڑکی اُتری گھوم کر پہنچی اِدھر
طنزیہ لہجے میں ہنس کر اس طرح کہنے لگی
کھِل گئی ہو گی یقیناً آپ کے دل کی کلی
برتھ ڈے کی یوں مبارک باد دی تو شکریہ
کیک لیکن آپ نے اب تک نہیں چکھا ذرا
بے تکلف لطف کچھ اس کا اٹھائیں نوجواب
پیس اٹھا کر کیک کا تھوڑا سا کھائیں تو جناب
نوجواں عاشق نے برجستہ دیا اس کو جواب
میں پہل کیسے کروں گا جب کہ حاضر ہیں جناب
ملک کی یہ رسم اپنی تو پرانی ہے حضور
کیک جو بھی کاٹتا ہے پہلے کھاتا ہے ضرور
تلملا کر جھینپ کر لڑکی ندامت سے بھری
اس ادا سے اڑ گئی جیسے کہ ہو چنچل پری

(بشکریہ جناب چاند بدایونی)

چرالائیں گے لوٹے مسجدوں سے
کریں گے خرچ پیری نذر ہی کچھ

مروں گا میں تو یہ چندہ کریں گے
کچھ اپنے واسطے دھندا کریں گے

حاتم

مولوی علی حاتم صدیقی بدایوں کے طنز و مزاح کے شعراء میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کا کلام اس دور کے شعراء کے کلام سے فوقیت لئے ہوئے ہے۔ مزاج میں شوخی کے سبب نکتہ ایسا پکڑتے تھے کہ عوام جھوم جھوم جاتے تھے ان کے والد کا نام متقی حسین تھا۔ قاضی ٹولہ بدایوں میں سکونت تھی۔ ۱۸۷۵ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۰ء میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم بہت ہی زود گو اور پُر گو شاعر تھے۔ اُن کا شاعرانہ رنگ اکبر الہ آبادی سے ملتا جلتا ہے۔ اکبر کی طرح وہ بھی مغربی تہذیب اور اس کے غلط اثرات سے بیزار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مغربی تہذیب معاشرے میں بُرائیاں لانے کا سبب ہے۔ اس لئے طنزیہ اور مزاحیہ اشعار کہہ کر مغربی تہذیب کی دھجیاں اڑاتے تھے۔ ان کی نگاہ سے کوئی بدایوں کی ایسی بات نہیں تھی جو ان سے بچ سکے۔ فوراً طنزیہ قطعہ کہہ دیا کرتے تھے۔ اور وہ قطعہ شہر میں ہر ایک کی زبان زد ہوتا تھا۔ اسی ماحول کو مدِ نظر رکھ کر ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ایک وکیل کو بخار آ گیا۔ لوگ ان کی مزاج پُرسی کو آئے۔ اتفاق سے ایک مجسٹریٹ بھی آ گئے۔ ممکن ہے حاتم صاحب وہاں خود بھی گئے ہوں مگر طنز کرنے سے نہیں چوکے۔

خوشی ہوتی ترقی عزت و توقیر بڑھ جاتی
بدایوں سے بریلی تک تمہارا نام ہو جاتا
بخار آیا کہ جس دن جنٹ صاحب دیکھنے آئے
کلکٹر دیکھنے آتا اگر سرسام ہو جاتا

حاتم صاحب نے انگریزوں کی طرف مندرجہ قطعہ میں اشارہ کیا ہے۔ بے وفائی کی جن علامتوں کو مدِ نظر رکھا ہے تجربہ کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔ ملاحظہ کیجئے ؎

بھروسہ اُس پہ پھر کیسے کریں ہم
ہے جس کا رنگ گورا آنکھ کنجی
شرافت کی نہ سمجھے گا وہ بھسرا بتا
نہ ہوگی جب تک اس کی چاند گنجی

میونسپل بورڈ بدایوں کے الیکشن میں پہلی بار خواتین نے حصّہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ حاتم صاحب فرماتے ہیں ؎

شخصیت جاتی رہی قومی تفاخر مٹ گیا
ہوگیا ٹھنڈا سخاوت اور شرافت کا لہو
غور کرنے کی جگہ ہے ممبری میں آئی ہیں
کس کی بیٹی کس کی پوتی کس گھرانے کی بہو

خواتین پر ایک اور طنز ملاحظہ فرمائیں۔
اَب جنونِ عشق ہے محتاجِ تہذیبِ جدید
فی زمانہ دشت پیمائی سے کچھ حاصل نہیں
قیس سے کہدو کہ جنگل چھوڑ کر بستی بسائے
اب کسی میٹنگ میں ہوگی لیلیٰ محمل نشین

ڈسٹرکٹ بورڈ کا الیکشن ہونا تھا۔ مولوی محمد سلیمان صاحب میمبری کے لئے کھڑے تھے۔ اُن کی خاص مدد کرنے والے تھے وحید احمد مسعود شیخوپوری، جناب یحییٰ ایڈوکیٹ، جناب فضل علی ایڈوکیٹ، خان صاحب لطافت حسین، ہاشمی وغیرہ۔ شہر میں خبر ہوئی کہ نواده والوں نے مخالفت کی اور مولوی سلیمان صاحب ہار گئے۔ اس موقع پر علی حاتم صاحب فرماتے ہیں۔

جھونکا ہوا کا آیا اور آ کر پلٹ گیا
چوُرا ہے پر کچہری کے لنگڑا[۱] رپٹ گیا
فضل علی پکار رہے الیکشن میں ہار کے
یحییٰ چلو کہ تختِ سلیماں الٹ گیا

سبط احمد کی عقد کی خاطر
لوگ ہر ہر قماش میں نکلے
میر صاحب نہا کے دھوبن کے
استری کی تلاش میں نکلے

جذبۂ حب وطن پر ہے یہ مبنی اختلاف۔
مولوی صاحب سے اس کا ہم کو لینا ہے جواب
آپ نے میرٹھ سے بخشا[۱] کو عبث تکلیف دی
گھر کے بخشوں میں سے کر لیتے کسی کا انتخاب

۱۔ بخشا۔ میرٹھ کا مشہور قوال تھا۔

ایک ڈپٹی کلکٹر کی رخصتی تقریب میں حاتم صاحب فرماتے ہیں ؎

ہُوا میں مچھلیاں پانی میں مسکن ہے پرندوں کا
عجب کایا پلٹ ہے آج کل دنیائے ہستی میں
تمدن کے زمانے میں ترقی یافتہ اُلّو
بجائے دشت کے بولا کریں گے جا کے بستی میں

آج تک دنیا میں رائج دو طرح کے وقف تھے
ایک تو اللہ کا اور دوسرا اولاد کا
تیسری مدعاشقی میں اب مروّج ہو گئی
اے بدایوں تیرے سر سہرا ہے اس ایجاد کا

---

۱ ۔ افضل علی ایڈوکیٹ معروف وکیل اور مولوی سلیمان صاحب کے خاص دوست تھے ۔
۲ ۔ خانصاحب الطاف حسینی ہاشمی ایڈیٹر "العدل" بدایوں ۔ لنگڑے تھے
۳ ۔ محمد یحییٰ ایڈوکیٹ، مولوی محمد سلیمان کے خاص دوست تھے ۔

[ماخذ :۔ تذکرہ شعرائے بدایوں
کراچی پاکستان]

خواہش

نام مولا بخش تھا کیونکہ قرآن حفظ کر لیا تھا اس لئے ان کو حافظ مولا بخش کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ خواہش تخلص فرماتے تھے۔ شاہجہاںپور میں سکونت تھی۔ اور حافظ منتا احمد خاں صاحب عرف حافظ ننھن خاں نائک کے شاگرد تھے۔ طنز و مزاح میں شعر کہتے تھے۔ ان کے صرف دو اشعار ہی دستیاب ہو سکے۔ فرماتے ہیں۔

دل دوبارہ پھر گرہ عشق کا بخار رہے
تو ہئے کر صورت سیماب بیقرار رہے

ڈاک اب بجلی سے یہ کس واسطے جاتی ہے جلد
کیا نمونہ تار برقی ہے نظر کے تار کا

بشکریہ جناب مبارک شمیم صاحب شاہجہاںپوری

خندہ بریلوی

میر شجاعت علی نام اور خندہ تخلص فرماتے تھے۔ مزاحیہ کلام کہنے کا شوق تھا۔ طبیعت میں ظرافت بہت تھی۔ ۱۸۷۵ء تک بریلی میں زندہ اور سلامت تھے۔ اس کے بعد کے حالات معلوم نہ ہو سکے ان کا کلام ملاحظہ فرمائیں

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھ کر آیا
کبھی پسّو، کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا
اپنی گھوڑی کو جب اکڑ تو ٹرک سے اے شیخ
ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں اگر دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو
ڈال دو کھاری نمک تو خوب میٹھی کھیر ہو
کیا انھیں چھیڑے کوئی اور کیا لگائے انکو منہ
ناک کے پکڑے سے جن کی پھوٹتی نکسیر ہو

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ روپیہ رشوت
لوگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے
سینے پر مار کے ہاتھوں کو سر پیٹتے ہیں
ڈھول پیٹیں ہیں بجاتے تھے جو تاشے پہلے

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے
گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے
لحاف اوڑھ کے چھپّر پہ ماہیوں بیٹھے
کہ جب نکاح کے دن اُن کے تین چار رہے
لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں انھیں
مرے محلّے میں آکر اگر وہ یار رہے

جو شعرِ غیر کو اپنا بنا کے پڑھتا ہے
چھُپے ہزار وہ، لیکن مری نگاہ میں ہے

(خُم خانۂ جاوید سے)

دلکش آفریدی

دلکش آفریدی طنز و مزاح کی دنیا کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ۳ راپریل ۱۹۳۵ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ انٹرمیڈیٹ مراد آباد سے ہی پاس کیا۔ مشاعرے پڑھنا ہی ان کا پیشہ ہے۔ ان کی بیگم بھی شعر کہتی ہیں اور ہندوستان کے آل انڈیا مشاعروں میں شرکت فرماتی ہیں۔ اُن کا تخلص "دلکش" حضرت جگر مراد آبادی نے مراد آباد کے ایک طرحی مشاعرے میں رکھا تھا۔ اور حسب ذیل مطلعہ پڑھا۔

دعا ماں باپ کی تھی اور توجہ رب نے فرمائی
خدا رکھے کہ ننھی نے دوبارہ زندگی پائی

شاعری کی منزلیں طے کرتے ہوئے ۱۹۵۹ء میں مختصر مجموعۂ کلام بہ عنوان "فروغ دلکش" اشاعت پذیر ہوا۔ دلکش صاحب ابتدا میں سنجیدہ شعر کہتے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے طنز و ظرافت کی طرف راغب ہوئے ہیں۔ یہ نہایت مخلص، اور وضعدار شخصیت کے مالک ہیں۔ وہی وضعداری اُن کے کلام سے نمایاں ہے۔ جس کو دلکشی بھی کہہ سکتے ہیں۔
نمونے کے طور پر ان کا کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

پاپ کی نگری

ایک جادوگر کی جادوگری بھی عجیب ہے
سیٹی کو باجہ، باجے کو ہارن بنا دیا

اک شخص تھا غریب اُسے لکھ پتی کیا
اک لکھ پتی بہن کو بھکارن بنا دیا
اک شاعرہ غریبوں کی ہمدرد تھی اُسے
دولت کے دیوتا کی پجارن بنا دیا

پھر اس کے بعد اس نے یہ اعلان کر دیا
کل شہر میں اک اور تماشا کروں گا میں
تربوز کو اُگاؤں گا جامن کے پیڑ پر
عورت کو مرد، مرد کو ہیجڑا بناؤں گا
اِس ہفتہ اِس مہینے یا دو تین سال میں
جو مر چکے ہیں اُن کو بھی زندہ کروں گا میں

اعلان سُن کے لوگوں پہ سنّاٹا چھا گیا
پھر اس کے بعد شہر کا اک لکھپتی اٹھا
بولا کہ میں نے قتل کیا اپنے باپ کو
جادو سے تیرے میرا اگر باپ جی اٹھا
کیا میرا حال ہوگا میرے پیارے جادوگر
لے دس ہزار اور یہ جادوگری اٹھا

پھر اس کے بعد ایک حسینہ نے یہ کہا
میں جانتی ہوں تم یہ تماشا دکھاؤ گے
میں نے پتی کو زہر دیا ہے شراب میں

اس کو جلا کے کیا مری ارتھی اُٹھاؤ گے
میں نے کیا ہے اپنے پُتری سے کل بیواہ
دُو دُو پتی کی کیا مجھے پتنی بناؤ گے

پھر اس کے بعد شہر کے نیتا نے یہ کہا
دیوانگی خدا کی قسم کر رہے ہو تم
یہ کھیل زندہ مردے کا کر کے عوام میں
میرا وقار شہر میں کم کر رہے ہو تم
میں نے سیاسی قتل کرائے ہیں سیکڑوں
اُن کو جلا کے مجھ پہ ستم کر رہے ہو تم

پھر جادو گر نے سوچا یہ نگری ہے پاپ کی
کیا قہر ہے کسی کا بھروسہ نہیں یہاں
بھائی بہن ہوں، بیوی ہو، بیٹا ہو یا عزیز
اک دوسرے سے کوئی بھی رشتہ نہیں یہاں
بس زندگی کے ساتھ ہے رشتوں کا احترام
مرنے کے بعد کوئی کسی کا نہیں یہاں

یہ سوچ کر ہوا میں وہ تحلیل ہو گیا
دُنیا سے بے ثبات کی تمثیل ہو گیا

تحقیق

دلکش سے تری ڈائری ان اک روز یہ لکھے
اسرار جو ماضی میں ہیں گم ڈھونڈ رہا ہوں
اک شوخ ہندریا سے مجھے عشق ہوا ہے
تاریخ میں کھوئی ہوئی دُم ڈھونڈ رہا ہوں

تاج محل

شاہِ جہاں جو تاج محل دیکھنے گئے
پوچھا کوئی کمی تو نہیں رنگ و نور کی
گھبرا کے رعبِ شاہ سے معمار نے کہا
اس مقبرے میں صرف کمی ہے حضور کی

مشورہ

بھلا کیا تیر مارا فتح کر لی چاند کی دنیا
مناسب تھا دوائے دردِ دل تخلیق کی ہوتی
خلا بازو اگر تھا شوق تم کو چاند ماری کا
کسی گنجے کی گنجی چاند پر تخلیق کی ہوتی

(بشکریہ دلکش آفریدی ۔ مراد آباد)

علّامہ درویش

نام شکیل احمد ہے۔ تخلّص درویش فرماتے ہیں۔ والد کا نام شمیم احمد خاں ہے۔ ان کی پیدائش ۱۹۲۸ء میں نجیب آبادی میں ہوئی تھی۔ علیگڈھ یونیورسٹی سے ایم۔ ایس سی۔ پاس کیا۔ چالیس سال سے شعر کہہ رہے ہیں۔ ان کی شاعری عام بول چال کی شاعری ہے۔ جسے سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔ طنز و مزاح ایک مشکل صنف ہے۔ جس میں عام طور سے شعرا کامیاب نہیں ہو پاتے۔ وجہ یہ ہے کہ مزاح میں طنز کو نبھانا کوئی آسان کام نہیں ہے جس کو درویش صاحب نے بخوبی نبھایا ہے۔ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

چکنا چور

محفلِ شعر و ادب کا نور ہو جائیں گے آپ
پی کے گر پڑھنے لگے مشہور ہو جائینگے آپ
زہد و تقویٰ سے تو ماتھے پر پڑے گا کالا داغ
صحبتِ ساقی رہی تو نور ہو جائیں گے آپ
زخم کا مرہم سمجھ کر ہم نے چاہا آپکو
کیا خبر تھی مستقل ناسور ہو جائیں گے آپ
ہم نہ کرتے آپ سے اظہارِ الفت عمر بھر
کیا خبر تھی اسقدر مغرور ہو جائینگے آپ

سچ کہا تھا بھوری آنکھوں میں وفا ہوتی نہیں
ان سے مل کر اور بھی رنجور ہو جائیں گے آپ
واقف درویش ہم سب ہیں ہماری مان لو
اس سے ٹکرائے تو چکنا چور ہو جائیں گے آپ
(بشکریہ جناب درویش نجیب آبادی)

'اچھا ہے تو نہیں'

فن میں یہ بات سچ ہے کہ اچھا ہے تو نہیں
پھر بھی کسی نشست میں رکتا ہے تو نہیں
تیرا دماغ خشک ہے تجھ کو کسی کا غم
جب رات آئی رات میں سوتا ہے تو نہیں
تجھ کو نشہ غرور کا مجھ کو نشہ حسن
ہے مجھ کو اعتراف کہ پیتا ہے تو نہیں
اب تک کوئی مشاعرہ باہر نہیں پڑھا
ہاں محفل سخن کو سمجھتا ہے تو نہیں
قد تو خدا کی دین ہے کیا اس پہ تبصرہ
دنیائے شاعری میں تو چھوٹا ہے تو نہیں
تو خود کو فیض کہہ لے میں خود کو جگر کہوں
ورنہ کسی بھی بات پہ بکتا ہے تو نہیں
شاگرد تیرے میرے سے کریں واہ واہ تو کیا
اچھا کسی کو بزم میں لگتا ہے تو نہیں

چہرے پر حقیقت کے نشاں ہیں اسی لئے
درد لیش کے قریب جو رہتا ہے تو نہیں

سو رُخ

شعر جس وقت بھی کہتے ہیں غزل کے استاد
مطلع فنکاری سے کہتے ہیں سنبھل کے استاد
داڑھی مونچھوں کی صفائی کے ہیں شوقین بہت
برسوں کٹواتے نہیں بال بغل کے استاد
دوسرے شعرا کے اشعار پہ چپ رہتے ہیں
داد شاگردوں کو دیتے ہیں اچھل کے استاد
فن تو ہے یہ ہی کہ شاگردوں سے کہہ دیتے ہیں
ایک ہی قافیہ سو رُخ سے بدل کے استاد
شعر اچھا کوئی شاگرد جو کہہ دیتا ہے
پھینک دیتے ہیں اسی شعر کو جل بھن کے استاد
فکر اشعار میں کچھ ہو گئے اتنے کمزور
جانے والے ہی ہیں اب ساتھ اجل کے استاد
حق ادا کرتے ہیں شاگرد وفا کا اس دم
شعر جس وقت بھی پڑھتے ہیں مچل کے استاد
اس لئے ہیں انھیں تنہائی کے لمحے مرغوب
شہر میں آئے ہیں کل صحرا سے چل کے استاد

نازتھا ان کو بہت اپنی قلم کاری پر
کیوں ہیں خاموش مری غزلیں انگل کے استاد
اُن کو شاید کسی درویش سے ملنا ہوگا
شہر میں پھرتے ہیں جو بھیس بدل کے استاد

کھوری آنکھیں

غیر پر نرم ہیں اپنوں پہ ہیں بھاری آنکھیں
لوگ کہتے ہیں کہ کھوری ہیں تمہاری آنکھیں
کیوں نہ رُک جائیں سرِ راہ حسیں چہرے پر
عمر ہے ساٹھ برس اور ہیں کنواری آنکھیں
شخصیت اہم ہے فنکاروں کی صف میں لیکن
آپ کیا ہیں یہ سمجھتی ہیں ہماری آنکھیں
تیغو بھی صاف ہے کاجل کا سلیقہ ہے نیا
آج کیا بات ہے جو اتنی سنواری آنکھیں

کنوارا استاد

ایک دن اُستاد نے شاگرد سے اپنے کہا
میں تری نارتھ مناؤں تو مری شادی کرا
قید اک مدت سے ہیں کمرے کی دیواروں میں ہوں

تم گلستاں میں مزے لیتے ہو میں خار و تنہا ہوں
میری خاطر بھی کرو تم عیش کا کچھ سلسلہ
میں تیری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

دل کے ارمانوں میں اب تو گدگدی ہونے لگی
نام سن کر اپنی شادی کا خوشی ہونے لگی
واقعی اب تک میں نادانی بہت کرتا رہا
میں تیری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

ہو کے شاعر وصل کی راتوں سے محرومی رہی
جو نہیں گھونگھٹ ہو اُن باتوں سے محرومی رہی
سوچ کر یہ بات میں کل رات بھر روتا رہا
میں تیری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

میرا تو نمبر دیر میں اس واسطے بالا نہیں
کوئی سکہ پیکرِ انسان میں ڈھالا نہیں
میں کروں گا اپنے گھر میں روشنی کا مشغلہ
میں تیری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

عمر رفتہ شاعری کے شوق میں کھوئی گئی
باقی سب نام آوری کے شوق میں کھوئی گئی
آج بھی بے آسرا ہوں کل بھی تھا بے آسرا
میں تیری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

جن کو دولت کی تمنا ہے انھیں دولت ملے
چاہے پچپن سال کی ہو ہم کو اک عورت ملے
مرنے جینے کا کروں گا ساتھ اس کے فیصلہ
میں تیری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

اب کے ساون میں طبیعت میری گھبرائی بہت
اب ستاتی ہے مرے گھرے کی تنہائی بہت
شوق پیدا میرے دل میں بھی ہوا اولاد کا
میں تری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

ہر بشر ہے دل کا رشتہ مجھ سے اب توڑے ہوئے
ہے خوشی دنیا کی ہر اک مجھ سے منہ موڑے ہوئے
کچھ نہیں معلوم ہے قسمت میں کیا لکھا ہوا
میں تری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

ہو وہ لڑکی یا ہو لڑکا اک نشانی چاہیے
بعد اپنے زندگی کی اک نشانی چاہیے
نام ہر انسان کا اولاد سے باقی رہا
میں تری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

اس کا غم کچھ بھی نہ کیجے مجھ پہ ہو جائیگا قرض
آپ پر ہے آپ کے استاد کی شادی بھی فرض
کس کے روکے سے رکا ہے وقت یہ جاتا ہوا
میں تری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

کل ملا درویش جا کر آپ کے استاد سے
تھے بچارے کچھ پریشاں اور کچھ ناشاد سے
اس لئے بھی رو رو کے وہ کرتے رہے ہیں استدعا
میں تری نائٹ مناؤں تو مری شادی کرا

"تازہ غزل"

کھل اٹھے شاگرد کے سوکھے ہوئے دل کے کنول
آج پھر استاد نے دے دی ہے اک تازہ غزل
بہتر نئے مضمون کے اشعار بخشش کے لیے
روغنِ کدو ذرا استاد کے ماتھے پہ مَل
آپ کے دو چار چھ گاہک بنا سکتا ہوں میں
آپ یہ فرمایئے، دیتے ہیں کتنے میں غزل
آپ کو گر ہو گیا کچھ بھی نصیب دشمناں
پھر تو مشکل شہر میں ہے آپ کا نعم البدل
جو ہمیں استاد کہہ دے اس کو کہہ دیتے ہیں ہم
وہ قطعہ ہو، یا رباعی ہو یا ہو، کوئی غزل
قبر دونوں ہی کو دابے گی یہاں مرنے کے بعد
بے عمل تو بھی رہا، درویش بھی ہے بے عمل
میر و غالب، ناسخ و مومن تو سب بے کار ہیں
آپ جو کہتے ہیں حقیقت میں بہت اچھی غزل

بشکریہ جناب درویش
نجیب آبادی

دولہ علی پوری

نام قاضی محمد زین العابدین اور تخلص دولہ تھا والد کا نام قاضی ہدایت اللہ تھا۔ ذریعہ معاش کاشتکاری تھا۔ ان کی پیدائش ۱۸۹۲ء میں علی پور میں ہوئی تھی۔ انہوں نے علی پور سے اردو مڈل پاس کیا تھا بچپن سے ہی شعر گوئی کی طرف راغب تھے۔ آپ کو قمر الحسن قمر بدایونی سے شرف تلمیذ حاصل تھا۔ نومبر ۱۹۷۹ء میں دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ نمونۂ کلام میں بمشکل تمام تین شعر حاصل ہو سکے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

ایک کم اسّی برس کا مرا نادان بنا
منھ میں اک دانت نہیں منھ سے ہی پیدا ان بنا

پہلو وہ ڈھونڈتے ہیں ادھر قیل و قال کے
امید گن رہے ہیں ادھر دن وصال کے

سامان زندگی میں اک دن بلا تھا دولہ
اب یہ بھی ہر طرف سے نازل ہوئیں بلائیں

(بشکریہ جناب حبیب سوز علی پوری)

دلکش لوہاٹھیری

علاء الدین نام دلکش تخلص ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو موضع لوہاٹھیر میں پیدا ہوئے - والد کا نام شمس الدین ہے - ابتدائی تعلیم لوہاٹھیر میں حاصل کی اور بدایوں میں آکر تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور بی-اے پاس کر لیا - بدایوں کے شعری ماحول نے دلکش صاحب کے ذوقِ شعر گوئی کو جلا بخشی -

۱۹۵۸ء سے مسلسل شعر کہہ رہے ہیں - مولانا ابر احسنی گنوری سے شرفِ تلمذ حاصل رہا - بزمِ فانی کے جنرل سکریٹری ہیں - دلکش صاحب کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں -

۱- سماج واد کی آواز - مجموعہ کلام طبع ۱۹۷۲ء
۲- نغمات - مزاحیہ کلام - طبع ۱۹۷۶ء
۳- سماج کا آپریشن - طنز و مزاحیہ کلام طبع ۱۹۸۳ء
۴- تبسم کی لکیریں - مجموعہ غزلیات طبع ۱۹۸۴ء

مرتبات

۱- یادگارِ جگر سوروی - جگر سوروی کی وفات پر شائع ہوئی
۲- یادِ فانی - ۱۹۸۴ء
۳- غمِ احبابِ پیام - پیام گنگرانوی کی وفات پر شائع ہوئی ۱۹۸۳ء
۴- یادِ احباب - ۱۹۸۳ء کے آل انڈیا مشاعرے

میں شریک ہوئے شعراء کے کلام کو ترتیب دیا۔

نمونۂ کلام:۔

میرا دعویٰ ہے کہ عورت ہو کسی بھی نسل کی
دس منٹ تک فطرتاً خاموش رہ سکتی نہیں
ویسے ہر اک قسم کی تکلیف سہہ لے گی مگر
دردِ خاموشی کسی حالت میں سہہ سکتی نہیں

جانتا ہوں تخمِ خوشحالی اگانا چاہیئے
ملک میں آسودگی کا ہل چلانا چاہیئے
کثرتِ اولاد پر بھی اک نظر اے والدو
ہو سکے تو اس اضافے کو گھٹانا چاہیئے

("کاروانِ ابر" سے ماخوذ کیا)

داماد

احمد میاں عرف بجّو نام، تخلص داماد فرماتے ہیں۔ لیکن نعتیہ کلام میں اُستاد تخلص رکھتے ہیں۔ والد کا نام حاجی محمد حسین (نعت خواں) تھا۔ محلہ فرشوری ٹولہ میں آبائی مکان ہے۔ ۲۱؍اکتوبر ۱۹۳۲ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ شرفِ تلمیذ جناب رونق بدایونی سے حاصل ہے۔ داماد صاحب بدایوں کے علاوہ بیرونِ میں بھی اچھی طرح جانے جاتے ہیں اور عوام میں مقبول ہیں۔ مائک پر آتے ہی سامعین میں ایک ہل چل سی پیدا ہو جاتی ہے۔ میونسپل بورڈ کے ایک پرائمری اسکول میں مدرس ہیں۔ ان کی تعلیم ہائی اسکول تک ہے۔ اس کے علاوہ اردو کے کئی امتحانات پاس کئے ہیں۔ شاعری سے لگاؤ فطری ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

جذبۂ دل ہی نہیں، عشق بھی پختہ ہوتا
کاش معشوق مرا عمر رسیدہ ہوتا

ہاتھ تھامے ہوئے پھرتا میں گلی کوچوں میں
میرا معشوق اگر جنم کا اندھا ہوتا

کاش ہوتی جو اُسے مجھ سے محبت لوگو
مجھ کو بخشش اگر ہوتی، اسے ہیضہ ہوتا

حسن اور عشق کی تکرار مزے دیجاتی
میں بھی ہکلا مرا معشوق بھی ہکلا ہوتا

مل گئی وقت پہ تنخواہ غنیمت جانو
میں تو مرجاتا مرے دفن کو چندہ ہوتا
وہ تو یہ کہیئے کہ ہاتھ آ گئی چمچوں میرے
ورنہ داماد کی تقدیر میں انڈا ہوتا

تعارف اتنا کافی ہے مری روداد فرقت پر
مجھے شوہر تو بیوی کو ستم ایجاد کہتے ہیں
نرالا ڈھنگ ہے میرا جنون عشق کامل میں
انھیں سسرا، انھیں سالا، مجھے داماد کہتے ہیں

(بشکریہ جناب داماد بدایونی)

ڈیوٹ شاہجہانپوری

نوٹ: (کوشش کے باوجود حالات نہیں مل سکے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔)

آگیا ہوش ایک پیمانے کے بعد
منفعل ہیں شیخ پی جانے کے بعد

ہیں وہ میکش ہو کے گرنانے کے بعد
تاڑی گھر جاتا ہوں میخانے کے بعد

دید کو ان کی ترس جائیں نہ ہم
مفلسی میں ڈالڈا کھانے کے بعد

صبح تڑکے ایک کانا دیکھ کر
ڈھونڈتے ہیں کانا پھرکانے کے بعد

آپ گنئے بوسے ہم تو آم کی
گٹھلیاں گنتے نہیں کھانے کے بعد

ایسے ڈھیلے پڑ گئے بعد شباب
جیسے اک ڈھولک اتر جانے کے بعد

قبر میں کیسے ٹھہر پائیں گے ہم
وہ اگر یاد آئے مرجانے کے بعد

ڈیوٹ ان کی منتیں کرتے رہو
وہ ترس کھاتے ہیں ترسانے کے بعد

رئیس امروہوی

طنز و ظرافت میں رئیس امروہوی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کا نام رئیس اور عرفیت (اچھن) تھی۔ تخلص رئیس فرماتے تھے انہوں نے شعر و شاعری کے ماحول میں ہی آنکھ کھولی۔ مشہور شاعر اور ہدایت کار کمال امروہوی ان کے تایا کے لڑکے ہیں۔ ان کے والد کا نام سید شفیق حسن ایلیا تھا۔ ان کے والد نے اپنے خاندانی تذکرے میں رئیس امروہوی کا یوم ولادت ۱۲ ستمبر ۱۹۱۴ء بروز دوشنبہ درج کیا ہے۔ مگر رئیس امروہوی نے اپنی تصنیف "معراج نفس وصول" جو ان کے والد کی حالات زندگی پر لکھی گئی ہے جس میں ان کا دستیاب کلام بھی درج ہے، رئیس صاحب نے اپنی ولادت کا دن ہفتہ درج کیا تھا۔ شاعری میں انہوں نے اپنے والد صاحب سے ہی صلاح لی تھی۔ بقول رئیس امروہوی کے والد حضرت تسلیم امروہوی اصلاح دیتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ کراچی چلے گئے تھے۔ ان کی شاعری میں طنزیہ قطعات کے جوہر پاکستان ہی کے سیاسی اور سماجی ماحول میں پروان چڑھے جس کے سبب وہ برصغیر کے ایک اہم طنز گو شاعر مانے جانے لگے۔

اخبار جنگ میں ان کے قطعات روزانہ چھپتے تھے۔ جن کو پڑھ کر ادب دوست آج بھی محظوظ ہوتے رہیں۔

۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء کی شام کو تقریباً ۶ بجے کسی نامعلوم شخص نے ان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

کلام اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

خنابل ہیں ایک بھٹکے ہوئے کارواں میں ہم
پہنچیں گے کس مقام پہ رسائل رواں میں ہم
اے دوست آ پھنسے ہیں یہ کس امتحان میں
بھنو ادھر مجیب ادھر درمیاں میں ہم

(اخبار نوکی آواز سے)

ارے او الیکشن کے امیدوار
تری سادہ لوحی پہ پیار آگیا
خدا کی قسم کھا کے وعدہ نہ کر
خدا کی قسم اعتبار آگیا

زاغ

نام محمد مبین تخلص مزاحیہ شاعری میں زاغ اور سنجیدہ شاعری میں نازش تھا۔ مولانا عبدالباری آسی نے آپ کے حالات میں تحریر کیا ہے
ابتدائے شباب میں کچھ اپنے دوست احباب کی فرمائش فرماتے اور کچھ اُمرا کو خوش رکھنے کے لئے رنگ ظرافت کو اپنایا۔ اس رنگ میں ان کے کچھ اشعار تو بے مثل ہیں۔ اب ظرافت گوئی بالکل بند کر دی ہے مگر ان کے اشعار میں آج بھی رندانہ شوخیوں کی جھلک پائی جاتی ہے جہاں نازش نے مشق زود گوئی سے اشعار کہے ہیں وہاں ان کی نثر نویسی بھی کافی مہارت کا ثبوت ہے۔ کچھ اخبارات اور رسائل کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں اور آج بھی شغل جاری ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف سے کئی ناول اور دوسری نثر کی کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ایک دیوان ان کے ذوق سخن سے پُر تھا' ریل کے سفر کی نذر ہو گیا مگر انہوں نے حافظہ کی بنا پر دوبارہ اس کو ترتیب دیا۔ مزاج میں شوریدگی بھی ہے رنگینی بھی۔ قوتِ واہمہ زیادہ ہے۔ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جانا اور پھر برسوں اس شخص سے رُخ نہ ملانا ان کی فطرت ہے۔ ان کا قیام دہلی میں زیادہ رہا۔ اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ مگر جب طبیعت میں جولانی پیدا ہوتی ہے تو بریلی، کانپور۔ دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمیذ کو حضرت غالب کے شاگرد حضرت ذکی سے منسوب کرتے ہیں۔ ان سے بار بار اصرار کرنے پر بھی انہوں نے اپنا مزاحیہ کلام دینے سے انکار کر دیا۔ مگر نواب خلد

حسن خاں صاحب برق شاہجہاںپوری ہے، جو کبھی ان کے حریف رہے ہیں، کچھ کلام دستیاب ہوا ہے۔ خانہ داری سے بھی ان کو کوئی واسطہ نہ رہا۔

نمونہ کلام :-

رقیب ناچے گا لکڑی کے بل سر محفل
جو تیرے دست مبارک میں ڈگڈگی ہوگی

سنڈاس کی بو کا فغاں میں اثر آئے
نالوں میں سامرے نکہت دگو زشتر آئے
وہ مجھ سے یوں کہتے ہیں کہ کیوں غیر گھر آئے
جوتے سے خبر لوں گا جواب کے ادھر آئے
گرگٹ کو جو یاروں نے بڑے غور سے دیکھا
نیرنگیٔ عالم کے کرشمے نظر آئے
دوکان دل عاشق حراف ہے کل وہ
دینے کیلئے مرہم داغ جگر آئے
بسکٹ نہیں تو نان خطائی ہی کھلا دے
مدت میں ترے عاشق خستہ ادھر آئے

لاش پر سادہ مزاجوں نے ملا کافور ہے
زاغ بگلا بن گیا ہیت پہ دھبوں نور ہے
پاک نیت سے رخ روشن کا نظارہ کرا دو
غیر کو بھیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در دل پہ بھی کیوں ڈاٹ لگائیں صاحب
واہ اچھی کہی یہ کام ہے معماروں کا
ضبط ہو جائے گی شمشیر ادا تیغ نظر
آپ لائسنس نہ رکھیں گے جو ہتھیاروں کا
سن کے یہ بات کہے ان کی سواری میں گدھا
چرخ پر دیکھو دماغ آج ہے گھسیاروں کا

میرٹھی ملا ہے یہ پوچھے کوئی
کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

تذکرہ خندۂ گل سے ماخذ کیا
ص ۲۵۰-۲۴۹

زخمؔ بدایونی

نام نجم الحسن عرف جگّی، تخلص زخمؔ فرماتے تھے۔ ۱۹۱۷ء میں محلہ قاضی ٹولہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بدایوں میں ہی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے والد کا نام تجمل حسن تھا۔ قمر الحسن محترؔ بدایونی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مولوی فخر عالم ایڈوکیٹ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی تھے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں کراچی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

زمانے کو کہاں فرصت زمانہ کس کی سنتا ہے
مگر تم نے تو آوازِ جنوں پہچان لی ہوتی

مجھ سے پوچھو نہ مرا حال ندامت ہوگی
قبر کا راز ہے مردے کو خجالت ہوگی
مجھ کو منہ ڈھانپ کے سونے دو قبر کے اندر
میں جو اٹھا تو سمجھ لینا قیامت ہوگی

ساحر عثمانی

عبدالطیف نام اور ساحرؔ تخلّص فرماتے ہیں۔ والد کا اسم گرامی حکیم مولوی عبدالوحید عثمانی ہے۔ ساحرؔ صاحب جولائی ۱۹۳۶ء میں محلہ پھوٹا دروازہ حکیم مولوی عبدالوحید کے یہاں بریلی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بریلی سے ہی ہائی اسکول کیا ہے۔ حکمت کی سند لکھنؤ سے حاصل کی اور بریلی میں پندرہ سال سے حکمت کر رہے ہیں۔ طنز و مزاح میں ابتدا سے ہی شعر کہتے ہیں۔ مولانا ابر احسنی گنوری کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ ۱۹۶۴ء سے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ طنز و مزاح کے موجودہ شعراء میں دلاور فگار اور ڈاکٹر ساغر نظامی کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت ابر احسنی گنوری کے بعد برادرِ محترم شبنم عثمانی بریلوی (مرحوم) اور ان کے بعد جناب وسیم بریلوی سے فیض حاصل کیا۔ بہت ہی شوخ اور رنگین طبیعت انسان ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

بڑھائے بال ڈالے شال پہنے دو فٹی لنگی
لگائے کان میں اک ادھ جلی بیڑی کا ٹکڑا ہے
یہ ہپّی تو یقیناً ہے مگر میں سوچ میں گم ہوں
یہ میخانے سے نکلی ہے کہ میخانے سے نکلا ہے

حاتمِ وقت سمجھتے تھے جو خود کو ساحرؔ
اپنا قصہ یہ سناتے تھے بڑی شان کے ساتھ
ہم سے پوچھو کوئی انجام تو اتنا اے دوست
گھر سے گھر والی بھی رخصت ہوئی مہمان کے ساتھ

آپ اور شاعر یہ حسنِ کلام
یہ کہیں کی سنی سنائی ہے
اِس ترنم کا واہ کیا کہنا
ساز اپنا غزل پرائی ہے

شیو کرنے ہی کی فرصت دے غمِ جاناں مجھے
لڑکیاں چھیڑیں گی ورنہ کہہ کے مولانا مجھے
ہم میاں بیوی لڑا لیتے ہیں اپنے گھر میں عشق
میں انھیں دیوانی کہتا ہوں وہ دیوانہ مجھے

(بشکریہ جناب ساحر عثمانی بریلوی)

سب رنگ

سب رنگ کے مفصّل حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ مولانا قمر الحسن قمر بدایونی کے ظریف شاگردوں کا ایک مجموعہ "نقد ظریف" نظامی پریس بدایوں سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا تھا۔ جس میں سب رنگ کا کلام شامل ہے۔ ظاہر ہے انہوں نے اپنے کلام میں سادہ الفاظ کا استعمال کیا ہے جو بنا کسی الجھن کے سامعین کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی
لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

تلاش ان کو گزٹ کی نہ کس لئے ہو آج
چھپی ہے نوکری اک جوتیاں اٹھانے کی

اس لئے تو نے مرے دل پہ پھیر دی جھاڑو
تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں رہی لیکن
ابھی تک آپ کو عادت ہے سر کھجانے کی

یہ روزگار کی حالت ہے اس زمانے میں
کہ نوکری نہیں ملتی گدھے چرانے کی

خدا کا شکر ہے چلنے لگے اشاروں پر
ضرورت اب نہ رہی ان کو ٹھنٹھنانے کی

ہم آپ کی ہنسیں سنتے تو حضرت واعظ
ضرورت آپ کو کیا ہے مُنہ بنانے کی
سُنا ہے پیٹ میں آج اُنکے درد اُٹھا ہے
سزا ملی انھیں سب رنگ کھٹانے کی

ماخذ "ثمرِ ظریف"
قمرالحسن - بدایونی

سَرپٹ

سرپٹ کا نام محمد عبّاس تھا۔ اور تخلّص سرپٹ ان کے والد کا نام عباس حمیدی تھا۔ بدایوں کے ہی رہنے والے تھے۔ قمرالحسن قمر بدایونی سے اصلاح لیتے تھے "تذکرۂ ظریف" جو قمر بدایونی نے بدایوں کے ظریف شعراء جو ان کے شاگرد تھے پر ترتیب دی ہے۔ سرپٹ کا بھی اس کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔ اور تذکرۂ ظریف سے ہی ان کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے اور معلومات کرنے پر بھی ان کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ نمونۂ کلام:۔

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُن کی جناب میں
لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں

ہر دن کی باندھ بوند سے واعظ نجات ہو
ہر تال آپ کیوں نہ بلائیں خضاب میں

وہ اس طرح تو عارضِ روشن دکھا چکے
ماچس ملے تو آگ لگا دوں نقاب میں

آئندہ نیل مست سے بڑھ جائیں کیا عجب
بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہدِ شباب میں

میں نے اس شان سے اس شخص کو اکثر دیکھا
ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا
بھونکتے کاٹتے اب تک نہیں دیکھا لیکن
موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا
کس طرح یار کو اب ڈھونڈنے جاؤں سرپٹ
ہم پولس میں بھی کئی روز برابر دیکھا

تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کر دوں یوسف ثانی
گرا دوں آج لے جا کر، کسی رستے کی کوئیاں میں
کوئی تدبیر وصل یار بھی لکھتے تو ہم کہتے
چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنے گلستاں میں
منڈائیں ایک ہفتہ میں جو سر دو مرتبہ اپنا
اب ان سے کیا کہوں دل ہے تمہاری زلف پیچاں میں
چلا دل ڈھونڈنے کا آج موقع خوب سرپٹ کر
وہ کہتے ہیں جوئیں دیکھو ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ خچر ہو
یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے بڑے خر ہو
کسی کی عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی
اگر ڈریل نہ ہو دلبر تو کم سے کم مچھندر ہو

الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کو سٹے جانا ہے
بغل میں بسترا ہو اور کھٹیا اُسکے سر پہ ہو

یہ کیا بندر کی صورت ہم لائے ہو ولایت سے
ارے مردِ خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو

ستانے کا مزا میں بھی دکھادوں انکو آکے سر پہ
جو میرے ہاتھ میں جوتا ہو اور ان کا گھٹا سر ہو

یہاں تک مشقِ گریہ اب منظم ہوتی جاتی ہے
کہ میرے رونے کی آواز اک سرگم ہوتی جاتی ہے

ہلاکت آفریں دیدۂ دلبری کا یہ عالم ہے
کہ ہر خاتون اب چنگیز خانم ہوتی جاتی ہے

کچھ اس کا غم نہیں ہم زرد گاجر ہو گئے سر پیٹ
ہماری بیگم تو اب سرخ شلغم ہوتی جاتی ہے

دام بھی جاتے ہیں چالان بھی ہو جاتا ہے
میکدہ خیبر سے تحصیل بھی ہے تھانہ بھی

میں نے تہذیب سے ہر بات لکھی ہے سر پیٹ
ہے شریفانہ بھی یہ طرز ظریفانہ بھی

(ماخذ "لغتِ ظریف" - فرید بدایونی)

سحر شیخوپوری

نام معین الدین خاں تخلص سحر ہے۔ والد کا نام مسیح الدین خاں تھا۔ قصبہ شیخوپور ضلع بدایوں میں یکم جولائی ۱۹۵۱ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شیخوپور ہی میں حاصل کی۔ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ اسلامیہ انٹر کالج بدایوں سے کیا۔ پرائمری اسکول میں مدرس ہیں جناب رونق بدایونی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ سنجیدہ مزاج رکھتے ہیں پھر بھی ظرافت میں خوب گل کھلاتے ہیں۔

نمونۂ کلام :-

حد سے بڑھ جائے کہیں جنتا نہ ہند کی
اس کی بابت بھی ہمیں کچھ فکر کرنا چاہیئے
چھوڑ دینا چاہیئے بچوں کی کھیتی یا ہمیں
تخمِ انسانی کو تھوڑا لیٹ بونا چاہیئے

فیل ہونا ہی مقدر میں لکھا تھا یارو
کام کچھ اور نہ استاد کا ڈنڈا آیا
مجھ کو یہ مار لگانے کا نتیجہ نکلا
ہر وشئے میں مرا زیرو بنا انڈا آیا

شبِ غم مجھ سے آ کر دو لپٹ جائے تو اچھا ہے
مری تنہائی کا تختہ اُلٹ جائے تو اچھا ہے

رقم تھوڑی ہے اور فرمائشیں بیوی کی ہیں لاکھوں
سرِ بازار میری جیب کٹ جائے تو اچھا ہے

دعا اتنی سی ہے یارب مرے مرنے سے کچھ پہلے
ترا دوزخ گنہگاروں سے پٹ جائے تو اچھا ہے

عمر بیوی کی اتنی ہے کہ سارے شہر کے راہی
مجھے مجنوں سمجھ بیٹھے اسے لیلیٰ کی ماں سمجھے

بڑا ہی گڑبڑا پڑا جب قبر میں منکر نکیر آئے
نہ میں عربی زباں سمجھا نہ وہ ہندی زباں سمجھے

یہ ہپّی کٹ کا فیشن ہے عجب گڑبڑ گھٹالا ہے
کہ ہم شوہر کو بیوی اور بیوی کو میاں سمجھے

(بشکریہ جناب سحرؔ شیخوپوری)

سی۔ ایچ

ڈاکٹر سخاوت حسین نام تخلص سی۔ ایچ فرماتے تھے۔ عرفیت چھٹی تھی۔ ان کے والد کا نام شجاعت حسین تھا۔ یہ شیخ حمیدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عام طور سے عوام ڈاکٹر کے نام سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ محلہ سید باڑہ میں رہتے تھے۔ اس کے بعد محلہ سوتھا بدایوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ تعلیم صرف اردو زبان تک محدود تھی مگر خاصی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے دو چار جگہ ملازمت کی۔ اول ڈسٹرکٹ بورڈ میں ویکسینیٹر رہے سبکدوش ہو کر پینشن تقریباً ۴ سال تک لیتے رہے۔ اسی دوران نیولی شوگر فیکٹری نگریا ضلع ایٹہ میں ملازمت کر لی تھی۔ حضرت مجتہد الدین عیش بدایونی کے شاگرد تھے۔ زیادہ تر طوائفوں کے گانے سنتے اور ان کی صحبت میں رہ کر طبیعت شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئی۔

طبعیتاً مزاج مزاحیہ رکھتے تھے۔ داڑھی کبھی فرنچ کٹ اور کبھی صاف نظر آتی تھی۔ حتیٰ کہ بھنویں تک منڈوا دیا کرتے تھے۔ ان کو شکار کھیلنے، بکری پالنے اور چائے پان کا بیحد شوق تھا۔

سی۔ ایچ صاحب جب اپنے دورے پر کسی گاؤں میں جاتے تھے تو لوگوں کے سامنے ٹیکہ لگانے کے اوزاروں کا اس طرح نام لیتے تھے (انگریزی نون میں) کہ دیہاتی مرعوب ہو جاتا تھا۔

۱۹۶۶ء کا طرحی مشاعرہ جو پنڈت دتاتریا کی صدارت میں بدایوں میں ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں جو غزل کہہ کر لے گئے تھے

اس کا طرحی مصرع مندرجہ ذیل تھا۔ ؎

"ذرا شوخی تو دیکھ آفتاب جلوہ ساماں کی"

جس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

پہناتے وقت کُرتا، یہ دعا تھی قیس کی ماں کی
الٰہی خیر کرنا میرے بچے کے گریباں کی

خدا کی شان وہ پھرتے ہیں موٹر کار میں بیٹھے
کہ جن کے باپ نے گاڑی ہماری عمر بھر ہانکی

وہ کافر ہے کرے تفریق جو ہندو مسلماں کی
مصیبت میں مدد لازم ہے ہر انساں کو انساں کی

شادعارفی

رام پور نے اردو کو سنجیدہ شاعری کا خاصہ سرمایہ عطا کیا ہے تو سرمایۂ ظرافت میں بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ شاد عارفی نے اردو کو سرمایہ بخشا ہے۔ ان کا نام احمد علی خاں، شاد تخلص فرماتے تھے۔ ان کی عرفیت للّن میاں تھی۔ اصل افغانی تھے۔ شاد عارفی کے نانا مولوی سید ولی خاں نواب کلب علی خاں کے دور میں مدرسۃ العالیہ رامپور میں علم حاصل کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے رامپور کے ایک مشہور پٹھان خاندان میں شادی کر کے یہیں سکونت اختیار کر لی۔ شاد عارفی کے والد کا نام خان محمد عارف اللہ خاں تھا۔ یہ بھی افغانستان سے اسی زمانے میں آئے تھے وہ مولوی صاحب کے ہمراہ لوہارو گئے اور وہیں محکمۂ پولس میں سب انسپکٹر کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا۔ مولوی ولی خاں کی بڑی صاحبزادی خورشید بیگم سے ان کا عقد ہوا۔

شاد عارفی ۱۹۰۳ء میں بمقام لوہارو پیدا ہوئے اُن کے والدین نے اُن کو فارسی و عربی کی تعلیم دلا کر مولویت کی طرف راغب کیا مگر اُن کا جمالیاتی ذوق اور مزید تحصیل علم کی آرزو نے مولویت کا رنگ غالب نہ ہونے دیا۔ خاندان والوں کی مخالفت کے باوجود انہوں نے انگریزی اور شاعری کو نہیں کھویا اور انہوں نے حامد ہائی اسکول رامپور میں انگریزی تعلیم شروع کر دی درجہ پنجم میں راز یزدانی (مرحوم) ان کے ہم جماعت رہے۔ محمد اسمٰعیل میرٹھی کی نظموں نے ان کو شعر گوئی کی طرف راغب کیا۔ اور محمود صاحب شفق کے شاگرد ہو گئے اور آٹھ دس سال تک ان سے اصلاح لیتے رہے۔ اُن کے

علاوہ انہوں نے چند غزلوں پر جلیل مانک پوری (مرحوم) سے بھی اصلاح لی تھی۔ مرضی کے مطابق شادی نہ ہونے پر انہوں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر والدہ کے زیادہ اصرار پر چالیس سال کی عمر میں شادی کر لی۔ مگر شریک حیات صرف ڈیڑھ سال ان کی زندگی میں شریک رہ کر دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں۔

۱۹۴۸ء میں شاد عارفی بھی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ زندگی کی تلخیوں نے ان کو طنزیہ شاعری کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کا طنزیہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

سالو لہ رنگ کشیدہ قامت
نہ پری ہے نہ کوئی حوّا ہے

لاتے ہیں تشریف تکیوں پر دُلائی ڈال کر
حسن اور اس درجہ بے خوف و خطر میرے لئے

انگلیاں اس کی مرے ہاتھ میں ہیں جام کے ساتھ
ہاتھ کھینچے نہ بنے جام گرائے نہ بنے

میرے یہاں وہ اور کبھی میں اُن کے گھر
ایک قدم پھولوں پہ ایک تلوار پر

اُس نے جب سَو تیر چلائے
میں نے ایک غزل چپکا دی

چُومتے چلتے ہیں ہم نقشِ قدم
وہ سمجھتے ہیں کہ پیچھے رہ گئے

میں پھر آغازِ الفت کا نتیجہ سوچنے بیٹھوں
مجھے تم گدگدا کر پھر نکل جاؤ برابر سے

بے کسوں پر ظلم ڈھا کر ناز فرمایا گیا
طنز کی جانب میں خود آیا نہیں، لایا گیا

وہ ہمیں تلقین فرماتے ہیں ایسے مشورے
جیسے اندھے سے کہا جائے کہ بائیں ہاتھ کو

جاپ سن کر جو ہٹا دی تھی اُٹھا لا ساقی
شیخ صاحب ہیں میں سمجھا تھا مسلماں ہے کوئی

چھپا چھپا کے جو کہنے چلے ہیں وہ ہم سے
مزا تو جب ہے کہ بے اختیار فرمائیں

یوں تو اُس کوچہ نہ اُس در تک گئے
آپ کو شک ہے تو ہم بے شک گئے

جناب شاؔد یہ چہرے اتار نے ڈالے
ہماری طرح مضامیں شکار فرمائیں

یہ تو ممکن ہے کہ دل میں کہوں منہ پہ نہ کہوں
یہ نہ ہوگا کہ ستم گر کو ستم گر نہ کہوں

زاہد کہتا ہے جنت میں بے ایمان نہیں جائیگا
لیکن شاؔد مسلمان ہو کر پاکستان نہیں جائیگا

(ماخذ "زندہ کتبے")
عروج زیدی بدایونی

شاکی

شاکی، جن کا نام شیخ بنّے میاں تھا بریلی کے خوش فکر شاعر تھے۔ مولانا احمد علی خاں عارفی، شوخ، بجبین کے تلامذہ میں تھے۔ ظرافت کے مضامین خوب لکھتے تھے۔ پونا میں کسی تاجر کے ملازم تھے۔ اور وہیں انتقال ہوا تھا۔

جلا دیتا ہوں مَیں دو لفظ میں مضمونِ مُردہ کو
مسیحِ وقت اپنے عہد میں گویا ہے دم میرا

بگڑنے میں بھی بنتا ہوں میں زلفِ حُور کی صورت
شکستہ دل ہوں پر رہتا ہے سب پیچ و خم میرا

مَیں وہ طائر ہوں جس سے طائرِ سدرہ ہُوا گویا
لئے بیٹھے ہیں رضواں آج تک باغِ ارم میرا

کبھی تو اَے فلک ہم پر بھی ہو گا مہرباں کوئی
کبھی تو دل بھرے گا غیر سے اُس آفتِ جاں کا

آغازِ جوانی میں ستم ڈھائے ہوئے ہیں
اُٹھتے ہوئے جوبن پہ وہ اترائے ہوئے ہیں

ڈرتے ہیں وفا کرتے ہوئے حضرتِ شاکی
یہ لوگ حسینوں سے دغا کھائے ہوئے ہیں

مآخذ :۔
خمخانۂ جاوید صفحہ ۶۹۶

شہباز امروہوی

نام سلطان احمد تخلص شہباز والد کا نام ۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔ امروہہ محلہ چاہ غوری میں ۲۳ جنوری ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا پیشہ معلمی تھا۔ نابینا ہوتے ہوئے بھی فکر و نظر بلند تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے اشعار اردو ادب کا بڑا سرمایہ ہیں۔ عرصہ تک روایتی شاعری کرتے رہے اور مسلم تخلص رکھتے تھے۔ بعد میں طنز و مزاح کی طرف راغب ہوئے۔ اس رنگ میں ان کو بہت کامیابی حاصل ہوئی۔

قطعات کے ساتھ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ط۔ ظ کے عنوان سے ان کے قطعات کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ یکم جون ۱۹۸۶ء کو طویل علالت کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

نمونہ کلام :۔

ایک ہے مطلقاً حرام ایک ہے سراسر مباح
عیش زنانہ ہے اور کچھ کیف نگاہ اور ہے
کھوٹے کھرے کے درمیاں تجھ کو تمیز چاہیئے
فحش ہزل کے آشنا طنز و مزاح اور ہے

جنت گم گشتہ کس شاعر کا ہے نقش قدم
نام تھا شداد اس کا اور تخلص تھا ارم

تم نے اسکولوں میں نفرت کا اٹھایا طوفاں
درسگاہوں کو فسادوں کا بنایا میداں
جذبۂ فرقہ پرستی کو چڑھا کر پروان
کر دیا قوم ملائک کو مجسّم شیطان

علم کا ہاتھ سے بچوں کے علم چھین لیا
کر کے تلوار عطا ان کو، قلم چھین لیا

ہزار آگے سہی بیوی مقامات ترقی میں
مگر اے حضرتِ شہباز شوہر پھر بھی شوہر ہے
سینما میں کلب میں پارک میں تھیٹر میں ہوٹل میں
جو وہ برقع سے باہر ہے تو وہ جامے سے باہر ہے

جانی واکر، چارلی، راجیش کھنہ اور دلیپ
مثلِ حافظ حفظ ہیں اس کو اداکاروں کے نام
لیکن اسمائے صحابہ پوچھئے اس سے اگر
حشر تک تو وہ بتا سکتا نہیں چاروں کے نام

پڑھتے ہیں بزمِ شعر میں اردو کا جو کلام
شاعر نما یہ چور، عدو علم و فن کے ہیں
مضمون کے بجائے اڑاتے ہیں متنِ شعر
دُزدِ سخن نہیں ہیں یہ ڈاکو سخن کے ہیں!

ہر مرد کی اچھا ہے ملے اس کو جو پتنی!
اِندر کے اکھاڑے کی پری روپ متی ہو
میں کہتا ہوں اس کال میں سب کچھ ہے یہ بیکار
خوبی ہو تو بس یہ ہو کہ وہ لوپ متی ہو

جب سے ملی ہے شیخ مسیت کو ممبری
کہتے ہیں میں نہ بیٹھوں گا مسجد کے فرش پر
اللہ رے دماغ کہ کرسی کو دیکھ کر
کم بخت اک چھلانگ میں جا پہنچا عرش پر

جس کے گھر کو بنا رہی ہے نرک
کوئی پھوہڑ، چڑیل، ابلا اگن نار
کیوں نہ مانگے دعا وہ یہ ہر وقت
وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار!

محفلِ شعر و سخن میں یہ صدائے واہ واہ
چھت اُڑا کر گنبدِ گردوں سے ٹکرانے لگی
شور و غوغا داد کا سن کر یہ بولے کچھ گنوار
آج تو نو ہی بجے سے رات کتیانے لگی

بشکریہ جناب ابن شہباز امروہوی

شہگل چاندپوری

نام ابوالاعجاز تخلّص "شہگل" فرماتے ہیں والد کا نام ماسٹر فیاض الدین وطن چاندپور ہے۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کو چاندپور میں پیدا ہوئے اور یہیں سے ہائی اسکول پاس کیا۔ اوائل عمر سے شعر کہتے ہیں۔ حامد حسین حامد سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ ان کی طبیعت ابتدا سے ہی طنز و ظرافت کی طرف مائل رہی ہے۔ کلام ملاحظہ فرمائیں ؂

اے جوانی کے عالم برا ہو ترا تو نے پہنچا کے چھوڑا مجھے جیل میں
دل لگانے کو اک کھیل سمجھا تھا میں کھوپری چھٹ گئی کھیل ہی کھیل میں

اس گرانی میں دنیا کا یہ حال ہے چوریاں سبزیوں کی بھی ہونے لگیں
میرے بیگن کوئی توڑ کر لے گیا ایک توری لگی رہ گئی بیل میں

اس گلی میں تھی بھیڑ عاشقوں کی بہت تم سے اس بھیڑ کا میں بیاں کیا کروں
میں بھی شامت کا مارا وہاں جا گھسا ہڈیاں پیس لایا دھکا پیل میں

ان کو غیروں کی خاطر ہی منظور تھی خوب کھچڑی کھلائی ہری گھی ڈال کر
میں نے جب بھوک کا ذکر ان سے کیا پوریاں دیں پکا کر مجھے تیل میں

میرا گھر جانتا ہو یہاں اگر کوئی میری بیوی کو دے دے یہ جا کر خبر
تیرا شہگل تھری اپ سے کرتا سفر آج پکڑا گیا بے ٹکٹ ریل میں

مشغول ہو رہے ہیں وہ سولہا سنگھار میں
میں کُڑھ رہا ہوں در پہ کھڑا انتظار میں

گلشن سے جب نہ نکلی نکالے سے تیرگی
ہم نے کلس کے آگ لگادی بہار میں

آیا عدو ادھر سے اُدھر سے میں جا گھُسا
دونوں میں خوب جوت چلا کوئے یار میں

شہگل بتاؤ اب کے نشیمن ببول پر
گل کو سکوں ملتا ہے پہلوئے یار میں

مقابلے کو مرے جو بھی نابکار آئے
تو میرے خوف سے دس دن اسے بخار آئے

پسِ فنا بھی مرے اقربا رہے برہم
مرا جنازہ اٹھانے کو بھی کہار آئے

گئے تو ہم بھی تھے شرکت کو ان کی محفل میں
مگر بس ایک اُلہنا سا ہم اتار آئے

لڑی ہے ہم سے یہ کہہ کر ہماری گھر والی
نکاح کی بھی انگوٹھی جوئے میں ہار آئے

ہم ان کی بزم سے دو جوت کھا کے بھاگ گئے
سنا ہے اوروں کے حصّے میں چار چار آئے

یوں ہی رہا جو ترا ذوق شاعری شہگل
تو کیا عجب کہ کفن بھی ترا ادھار آئے

اٹھی ہے شاعری کی میرے بھی ہڑک دل میں
اے شعلۂ تک بندی کچھ اور بھڑک دل میں

ارماں بھی مرے دل کے اب کار میں چلتے ہیں
اک ہم کو بنانی ہے ڈالنور کی سڑک دل میں

دیکھیں تو کوئی کیسے دل میرا جلاتا ہے!
بھروا کے دکھائی ہے پانی کی مشک دل میں

کہہ دو یہ حسینوں سے وہ حسن کو ٹلوا لیں
ہم نے بھی لگائی ہے اک لوہے کی ٹنک دل میں

پنساری کو دل دے کر شہگل نے یہ دکھ جھیلا!
آئی ہے مہیتوں تک مرچوں کی جو دھک دل میں

آئینے کو دیکھے ہوں تو دھکا سا لگے ہے
چہرہ بھی مرا اور کسی کا سا لگے ہے

جب سے ہے انہیں غصے میں کئی گالیاں دی ہیں
کچھ ذائقہ منہ کا مرے بالا سا لگے ہے!

جس شخص کو ملتی ہے کئی وقت میں روٹی
چٹنی بھی اسے بھوک میں مرغا سا لگے ہے

بہروں سے تو باتوں کا بھی کرنا ہے مصیبت
کرتا ہوں کوئی بات تو جھگڑا سا لگے ہے

شہکلؔ مجھے یاد آتیں ہیں جب ان کی جفائیں
سینے میں بڑے زور کا دھکا سا لگے ہے

[بشکریہ جناب عشرت کرتپوری
میرٹھ روڈ۔ غازی آباد۔]

شاداںؔ بدایونی

بدایوں کے طنز و ظرافت کے شعراء میں شاداںؔ بدایونی کا بھی ایک مقام ہے جن کا کلام لبوں پر تبسم لانے اور کبھی کبھی قہقہہ لگانے کو مجبور کر دیتا ہے۔ ان کا نام عبدالمجید ہے اور تخلص شاداںؔ فرماتے ہیں والد کا نام محمد رضوان احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے دادا مرحوم مولوی وزیرالدین صاحب سے حاصل کی۔ یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے اور عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم تایا مرحوم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے حاصل کی جو اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ والد صاحب نے ان کو قرآن حفظ کروانے کے سبب مدرسہ ابراہیمیہ واقع درگاہ حضرت شرح شہید صاحب میں داخل کروادیا اور وہیں انہوں نے حفظِ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی اسکے بعد مولوی اور ادیب کے امتحانات اعلیٰ نمبروں سے پاس کیئے۔ ادبی کتب کا مطالعہ اور شعر و شاعری کا ذوق اوائل عمری سے تھا۔ غزلوں پر اصلاح مولوی ضیاء القادری صاحب سے لی اور چند غزلوں پر شوق سبزداری صاحب سے بھی اصلاح لی تھی ۱۹۴۵ء سے صحافت کا شوق پیدا ہوا اور اردو ہفت روزہ روہیلکھنڈ اخبار کی ذمہ داری سنبھالی ۱۹۴۷ء میں اپنے ذاتی اخبار "ہماری آواز" ہفت روزہ کا ڈکلیریشن داخل کیا اور ۷ راگست ۱۹۴۷ء کو "ہماری آواز" کا پہلا شمارہ منظرعام پر آیا جو پوری آب و

۱۔

تاب کے ساتھ نکل رہا ہے ۔ صحافتی مشاغل کے علاوہ ۵۹ء
شہر بدایوں کے متعدد علمی اور ادبی، مذہبی اور عوامی اداروں کی
خدمات شاداں صاحب کے سپرد ہیں جن کو وہ وسیلۂ نجات
تصوّر کرتے ہیں ۔

نمونۂ کلام:

کالجوں میں چھٹیوں کی اسقدر ہے ریل پیل
کورس کی تکمیل بچّوں کے لئے دشوار ہے
سوچنا پڑتا ہے وقتِ امتحاں آخر یہی!
نقل کا سامان ہو جائے تو بیڑا پار ہے

روز مر مر کے جیئے جاؤ تو خوش رہتے ہیں
زہر کے جام پیئے جاؤ تو خوش رہتے ہیں
جیسے ایک اور بیس کا سیمنٹ
جن کی تعریف کیئے جاؤ تو خوش رہتے ہیں

گھر میں جمّن کے نہ دیوار سلامت ہے نہ در
گاؤں کو چھوڑ کے اب شہر میں کوٹھی لیں گے

مائیکے میں ہے کئی سال سے مظلوم دلہن
اس پہ اکڑے ہیں کہ سسرال سے ٹی۔وی لیں گے

روتے ہیں والدین کہ تم بد نصیب ہو
سرکار کا خیال ہے نسلاً غریب ہو
تم منہ سے کچھ کہو نہ کہو دوستوں مگر
حلیہ بتا رہا ہے تمہارا ادیب ہو

ہمارے شہر میں ایسے بھی چند شاعر ہیں
جو شعر گوئی کے فن میں بہت ہی ماہر ہیں
کسی کے گھر میں ولادت ہو یا چہلم ہو
بیاضِ شعر دبائے بغل میں حاضر ہیں

شیخ سے پوچھا جو اتنی سبزیاں کھانے کا راز
بولے گھی کھانے سے چربی گوشت پر چڑھ جائیگی

ہم نے اس بارے میں اک کنجوس سے جب بات کی
ہنس کے فرمایا کہ خرچے کا بجٹ بڑھ جائیگی

اک ترقی یافتہ بیٹے نے ڈیڈی سے کہا
میری پیدائش گرانی میں ضروری تو نہ تھی
باپ بھی دلچسپ تھے ہنس کر دیا فوراً جواب
آدم و حوّا میں برخوردار دوری تو نہ تھی

ایک اسٹوڈنٹ سے پوچھا گیا تھا یہ سوال
باپ اور استاد میں کیا فرق ہوتا ہے بتاؤ
سوچ کر بولا بس اتنا فرق ہوتا ہے جناب
باپ کہتا ہے پڑھو استاد کہتا ہے ہٹاؤ

[ماخوذ "خطا معاف"
شاداں بدایونی]

طنز بدایونی

بدایوں کی ادبی فضا میں جہاں اور طنز و ظرافت کے فنکاروں نے اپنی فنکاری دکھائی ہے وہاں طنز بدایونی جنہوں نے خود کو عوام کی نظروں سے چھپائے رکھا اور اپنے کلام کو اخباروں اور رسائل میں شائع کرواتے رہے۔ ان کا نام نثار احمد تھا اور تخلص طنز فرماتے تھے۔ والد کا نام غفور احمد تھا۔ پیدائش یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو بمقام سہسوان ضلع بدایوں میں ہوئی۔ ان کی سکونت محلہ سرائے جالندھری بدایوں میں رہی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں سے سنہ ۱۹۴۴ء میں ہائی اسکول پاس کیا سنہ ۱۹۳۴ء میں منشی اور سنہ ۱۹۱۲ء میں بی۔ ٹی سی نارمل اسکول مظفر نگر سے کیا۔ ابتدا میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکول میں مدرس رہے۔ چند سال بعد ڈسٹرکٹ بورڈ کے آفس میں بحیثیت کلرک کام کیا۔ طنز صاحب نے جو بھی طنز کے تیر چلائے ہیں وہ ہمیشہ نشانے پر بیٹھے ہیں کیونکہ وہ اردو، عربی۔ فارسی، انگریزی اور ہندی سے بخوبی واقف تھے۔ حساب جیسے سبجکٹ پر ان کو عبور حاصل تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی۔ حاضر جوابی ان کی فطرت میں تھی جوانی کے دور میں ہاکی، والی وال اور شطرنج کے بہت اچھے کھلاڑی رہے تھے۔ فن شاعری سے لگاؤ تھا انہوں نے اپنے کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ہمیشہ گوشہ نشینی اختیار کی انہوں نے کبھی محفل میں

اشعار نہیں پڑھے۔ ظرافت میں طنز کرنا ان کی فطرت میں شامل
تھا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے ؎

"مناجات"

(اُستادوں سے معذرت کے ساتھ)

جہانِ سیاست کے پروردگار
تجھے لوگ کہتے ہیں کالا بخار
ترے رعب کا ہے زمانہ شکار
لیئے ووٹ تو نے انتر ہزار

ہے زیبا تجھے قوم کی رہبری
مری بار کیوں دیر اتنی کری!

نہیں جھوٹ اس میں خدا ہے علیم
ہزاروں دلوں میں ہے تو مقیم
تجھی پر ہیں شیدا ثریا، نسیم
تجھی کو کہیں شاہزادہ سلیم

ترے حسن میں ہے وہ جادوگری
مری بار کیوں دیر اتنی کری

ترے حکم بن کوئی دھلا نہ دے
اشارے پہ تیرے زمانہ اٹھے
کہیں سے کوئی مار کر ہاتھ لائے
یہ ممکن ہے گھر تیرے حصہ نہ جائے

سبھی جانتے ہیں تری برتری!
مری بار کیوں دیر اتنی کری!

کیا عجز جنتا کا تو نے قبول
سنبھل کر بنایا زمانے کو فول
یہاں دے دیا یو جناؤں کو طول
لیے ٹیکس پر ٹیکس تو نے وصول

کوئی تجھ سا دیکھا نہیں نمبری
مری بار کیوں دیر اتنی کری

سیاست کی ایسی چلی تو نے چال
کروڑوں روپئے کا کیا گول مال
لیا صاف خود کو خال سے نکال
مگر پھنس گئے سیٹھ شنبھو دیال

تو لا زیب ذی عقل و دانشوری
مری بار کیوں دیر اتنی کری

تری پارٹی میں تھا اک ممبر!
لگائے رہی رہتا تھا جو ٹر ٹر!
سنبھل کر جو لی تو نے اس کی خبر
کیا ایک لہجہ میں ہاؤس بدر

رہی تیری قائم صدا افسری
مری بار کیوں دیر اتنی کری

جسے چاہے تو ہم پیالہ کرے	جسے چاہے منہ کا نوالہ کرے
پھٹیچر کو ادنیٰ سے اعلیٰ کرے	جو چاہے وہ گڑ بڑ گھٹالہ کرے

دسمبر کو چاہے کرے جنوری
مری بار کیوں دیر اتنی کری

اکڑ کر رہ گیا

موسم سرما نے لی ایسی خبر
سارا یو۔پی ہی جکڑ کر رہ گیا
برہمن کٹیا میں ہے ٹھٹھرا پڑا!
شیخ حجرے میں اکڑ کر رہ گیا

زمانہ یہ ہے، رہے بے تکلّف باہم
تکلّفات ہو (جس میں) وہ پیار ہی کیا ہے
بغیر فور ٹونٹی کے دوستی کیسی!
جو جیب صاف نہ کر لے وہ یار ہی کیا ہے

ایسے لوگوں سے تو اللہ بچائے سب کو
جن سے بھاگے نہ بنے جن سے بھگائے نہ بنے
جس سے اک بار چمٹ جائیں تو مرکر چھوٹیں
وہ پلستر ہیں کہ دامن سے چھڑائے نہ بنے

[بشکریہ جناب زین العابدین صاحب
ابن نشاط ظفر بدایونی]

عاؔلم قریشی

نام شریف احمد قریشی ہے اور تخلّص عاؔلم فرماتے ہیں۔ والد کا نام مقبول احمد قریشی ہے ان کی پیدائش ۱۴؍ فروری ۱۹۴۴ء کو اصالت پورا مرادآباد میں ہوئی۔ مڈل اور ادیب کے امتحانات پاس کیے ہیں۔ حضرت قمر مرادآبادی سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے ۱۹۶۲ء سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

نکھٹو شاعر

مجازؔ لکھنوی کی روح سے معذرت کے ساتھ

زندگی کے راز کو اس بزم میں افشا کروں
ہوں نکھٹو کس طرح تقدیر کا شکوہ کروں
نوکری ملتی نہیں کیا مکھیاں مارا کروں

اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں
ہوں نکھٹو کس طرح تقدیر کا شکوہ کروں

بات ماضی کی نہیں ہے بات ہے یہ حال کی
جوتیاں پڑنے لگی ہیں سر پہ اب سسرال کی
میں ہوں اکسٹھ سال کا اور وہ ہیں باسٹھ سال کی

کب تلک لڑکے کی ضد میں لڑکیاں پیدا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

دوستوں کا مشورہ ہے دیش کا نیتا بنوں
دودھ بیچوں ہر گلی کوچے میں اک بھیّا بنوں
کچھ نہ بن پاؤں تو بیگم کہتی ہے زنخا بنوں

میں مگر شاعر ہوں سوچتا ہوں کونسا دھندا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

شاعری کرنے سے پہلے گھر کی یہ حالت نہ تھی
غیر کے گھر جانے کی بیوی کو بھی عادت نہ تھی
جسقدر غربت ہے اب ایسی کبھی غربت نہ تھی

شہر میں جاؤں کہاں کس کی کھڑی کھٹیا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

ہو غزل پھیکی مگر اعلیٰ ترنم چاہیئے
داد حاصل کرنے کو چیلوں کی بھی دم چاہیئے
شاعرِ اعظم کو بزمِ شعر میں خم چاہیئے

ساتھ اپنے میں بھی کیا سازندوں کو لایا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

سامعین اب تحت کے شاعر سے کہہ دیتے ہیں بھاگ
چھیڑ مائک پر ترے گر پاس ہو بیجو کا راگ
ورنہ ہم ڈس لیں گے تجھ کو آستیں کا بن کے ناگ

شاعری کے منچ پر ہیلن نما ناچا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

ہائے یہ دورِ گرانی اس پہ بچے بے شمار!
ٹھوک میں ہیں پاس فاقے اور نہ اردو کاروبار
کب تلک بیگم مری بنیئے سے لائے گی ادھار

کس طرح اس نادواں کنبے کا میں پورا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

بیچ ڈالا گھر کا سب سامان روٹی کے لئے
انکی ساڑھی کیلئے اپنی لنگوٹی کے لئے
دال کھاتے تھک گئے بچے تو بوٹی کے لئے

نام پر مسجد کے یا مندر کے اب چندہ کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

کاش میں ہوتا وسیم و ساغر و بدر و شمیم
ایشتہا موٹی رقم بن جاتا اک شاعر عظیم
شاعری کے قہر کے عالم کو کر ڈالا یتیم

کس طرح ان شاعروں کا ذہنی توازن ماندہ کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

تخلیق کار
: راقم الحروف :۔ عالم قریشی
جنرل سکریٹری ۔ بزم قمر
مراد آباد ۔ یو پی

عزیز نجیب آبادی

اتر پردیش میں روہیل کھنڈ کی ادبی حیثیت مسلم ہے۔ بجنور روہیل کھنڈ کا ہی ایک ضلع ہے عزیز نجیب آبادی یہاں کے ایک قابلِ ذکر شاعر ہیں۔ نام عبدالعزیز ہے اور تخلص عزیز فرماتے ہیں۔ تحصیل نجیب آبادی عرف الیُض لونیس ہیں۔ کھیڑی نجیب آباد میں ان کی پیدائش ہوئی ۱۹۴۵ء میں اپنا وطن ترک کر کے نجیب آباد محلہ ضابطہ گنج میں مقیم ہو گئے۔ ان کے والد کا نام الٰہی بخش تھا۔ اردو ہندی مڈل ۱۹۴۸ء میں اور ادیب کامل ۱۹۷۱ء میں پاس کیا۔ جناب محمد الیاس ماہر منڈاوری نجیب آباد سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ۱۹۶۷ء سے باقاعدہ شعر کہتے ہیں۔ ان کا کلام اخبارات اور رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہا ہے۔ مختصر تعارف "عکس الشعور" منجانب غالب اکیڈمی نجیب آباد میں موجود ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں بڑی سادگی سے روزانہ کی بول چال کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جس سے طنز بھی صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا کلام ملاحظہ فرمائیے ؎

نئے سال کی ڈائری

لیتا ہے کوئی مول ہر اک بات میں جھگڑا
بٹتا ہے کسی کے یہاں خیرات میں جھگڑا
پانی کے بہاؤ پہ ہوا کرتا ہے اکثر!
ہمسایہ کا ہمسایہ سے برسات میں جھگڑا
جھگڑا ہے مگر ہم اسے جھگڑا نہیں کہتے
ہو پہلی ملاقات کی جو رات میں جھگڑا
کس کس کی رپٹ تھانے میں لکھواؤ گے عزیز
ہو جائے اگر آپ کی ... بارات میں جھگڑا

جب تیرے بس کا کوئی نہیں دنیا میں کاروبار گدھے
تو ایسا کر لیڈر بن جا پھرتا ہے کیوں بے کار گدھے

جس باغ کا مالی ہو گلچیں اُس باغ میں کیسے پھول کھلیں
اس قوم کا مستقبل کیا ہو جس قوم میں ہوں سردار گدھے

اُس کو مارا اُس کو لوٹا اس سے چھینا اس سے چھینٹا
اس پر بھی انساں ہونے کے بنتے ہیں دعوے دار گدھے

اُس باپ کو محنت کرنے سے فرصت ہی کہاں ملتی ہوگی
وہ باپ مزے کیا لوٹے گا جس کے ہوں برخوردار گدھے

حالاں کہ عزیز اس وقت ہیں کہتے ہیں سبھی چلتا پُرزہ
استاد کے منہ سے بچپن میں کہلائے ہیں ہم بھی یاد گدھے

کسی ڈکیت کی صورت سے مل گئی صورت
مجھے پکڑ کے پولیس والے لے گئے تھانے
بس ایک رات میں اتنا بدل گیا حُلیہ
سویرے ابّا میاں بھی مجھے نہ پہچانے

ایک روزہ بھی نہیں رکھتے کبھی رمضان میں!
یوں مگر رکھتے ہیں قائم روزہ داری کا بھرم
شام کو مسجد میں ہو کر روزہ داروں کے شریک
سب سے پہلے مارتے ہیں ہاتھ افطاری پہ ہم

(بشکریہ جناب عزیز نجیب آبادی)

عزم بریلوی

بریلی کے طنز و مزاح کے شعراء میں عزم صاحب ایک مقام رکھتے ہیں۔ لانبا قد، بھاری جسم گول چہرہ اس پر سفید داڑھی۔ خوش مزاج اور خوش اخلاق نام فرقان احمد خاں ہے۔ تخلص عزم فرماتے ہیں۔ تعلیم گھر پر ہی حاصل کی ہے۔ ان کے والد کا نام امان احمد خاں ہے۔ برہا پور بریلی میں مقیم ہیں ۲۸ فروری ۱۹۳۴ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ مشورۂ سخن جناب ضمیر بریلوی سے کیا۔ ان کا شعری مجموعہ "جراٴت فکر" ہے۔

نمونۂ کلام پیش خدمت ہے

پی کے اب مئے سیاست کی ہرمت کٹا
راستا ہی راتوں رات رہنما بن گیا

پیچھے پیچھے ہے اس کے ہر اک بے سُرا
رہنما ہے ابھی تک گدھوں کا گدھا

ایک لیڈر کے گھر کا ہر اک پالتو!
دیکھتے دیکھتے لکھ پتی بن گیا

تراش کر، ترے قدموں میں رکھ دیا ہوتا
تمہارے سر کی ضرورت ہے یہ کہا ہوتا

(بشکریہ جناب عزم بریلوی)

عالمؔ

نام محبوب عالم ہے تخلص عالمؔ فرماتے ہیں۔
ان کا وطن آنولہ ضلع بریلی ہے اور ۱۹۴۲ء میں آنولہ میں پیدا ہوئے۔
ابتدائی تعلیم کے درمیان تقسیم ہند کے ہنگامہ نے تعلیم
نامکمل چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک ضلع
انفارمیشن آفس میں ملازمت اختیار کی اس کے بعد وہ ذاتی
کاروبار سے منسلک ہو گئے جو اب تک جاری ہے۔ اوائل عمر
سے شعر گوئی کی طرف طبیعت راغب تھی اس لئے مختلف اصنافِ
سخن پر طبع آزمائی کی مختلف اردو رسائل اور اخبارات میں تخلیقات
شائع ہوتی رہی ہیں۔

انہوں نے اپنے کلام پر جناب رازؔ فرید پوری،
رازؔ بجنوری، اور دلدارؔ جسپوری سے اصلاح لی ہے۔ ان کے
چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

لی جو مکھیا کی جامہ تلاشی اس کی گدڑی میں ہتھیار نکلے
ہم سمجھتے تھے پردھان جن کو وہ ڈکیتوں کے سردار نکلے

کالے کپڑے تھے کاندھے پہ جھولا جب پکڑ کر پولس نے ٹٹولا
بیچتے تھے جو دانتوں کا منجن وہی سلفے کے بیوپار نکلے

رام گنگا کے پُن پہ اک دن ٹی ٹی نے خود کیا آ کے چیکنگ
بے ٹکٹ جتنے پکڑے گئے تھے گاؤں کے سب زمیندار نکلے

سیٹھ جی کل نخاسے میں آئے ہم یہ سمجھے خریدیں گے گائے
جائزہ جب لیا سیٹھ جی کا مرغیوں کے خریدار نکلے!

جس پہ قبضہ تھا گاؤں سبھا کا فیصلہ یہ ہوا اس جگہ کا
ایک دو دھوا کے معصوم بچے اس مڈیا کے حقدار نکلے

دس ڈکیتوں کو لائے سپاہی چار دھوبی تھے اور چار نائی
چھ برس کے پرانے ریٹائرڈ دو پولس کے حولدار نکلے

صاف ظاہر ہوا ہے ریٹ سے بچ گئے تم پولس کی جھپٹ سے
یہ اچھا ہوا آہ شاکر تم مہینوں کے بیمار نکلے!

(بشکریہ جناب دلدار جیپوری صاحب)

عقاب

عقاب صاحب کا نام تلاش کرنے پر بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کا وطن بدایوں تھا تخلص عقاب فرماتے تھے۔ بہت ہی شستہ کلام کہتے تھے۔ کلام پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیئے
مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منھ نہ موڑیئے

جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب پاؤں جوڑیئے
ہونٹوں کے بل سے کھائیے دانتوں کو توڑیئے

پلکیں فضول چیز ہیں ان کو بھی مونڈیئے
ناحق بھنویں عزیز ہیں ان کو بھی مونڈیئے

جدت کا جس میں دخل نہ ہو چھوڑیئے وہ کام
گھوڑے کے منھ میں دُمچی ہو دُم میں رہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکر سے ہو سلام
اس منھ سے اب نہ بولیے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑئیے
عینک سے کام لیجیے آنکھوں کو پھوڑئیے

اُس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں
غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنس کے بولی اے میاں اس بات کا افسوس کیا
تم یہی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرواز ہے

ماخوذ "ثقۂ ظریف"
قمر الحسن قمر بدایونی

غالبؔ

واجد علی نام اور غالبؔ تخلّص تھا۔ سرسی ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے ان کی پیدائش ۱۹۰۴ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۶۹ء میں بدایوں میں ہوئی شرف تلمذ جناب احسن بدایونی سے حاصل تھا۔ فن شاعری کے ساتھ ساتھ فن مرغ بازی کے بھی ماہرین میں سے تھے۔ غالبؔ صاحب اپنی عمر کے آخری حصّہ میں، برف، چائے اور کباب، فروخت کر کے اپنا گذارہ کرتے تھے۔ قاضی ٹولہ بدایوں میں ان کا مکان تھا۔ پڑھے لکھے نہ ہونے پر بھی شرفا میں اٹھتے بیٹھتے تھے یہی وجہ تھی کہ صحتِ لفظی اور تہذیب و سلیقہ سے محروم نہ تھے۔

ایک صاحب جن پر ان کے کبابوں کے دام آتے تھے بہ سلسلہ تلاشِ روزگار جھانسی (یوپی کا ایک شہر ہے) جا رہے تھے غالبؔ کو ان کی روانگی کی خبر مل گئی اور اپنی رقم کا تقاضا کیا تو انھوں نے کہا جھانسی پہنچ کر بھیج دوں گا اور مزید اطمینان کے ایک پرچہ پر اپنا جھانسی کا پتہ لکھ کر ان کو دیا کہ اول تو اس کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر کچھ دیر ہو تو تقاضے کا خط تحریر فرمائیں۔ غالب صاحب نے پرچے کو غور سے دیکھا۔ پڑھے ہوئے تو تھے نہیں حروف پر غور کیا اور جھانسی کو " جہان سے " پڑھا اور

فرمایا میاں تم تو جہان سے جا رہے ہو وہاں تم سے تقاضے کون کرے گا۔ غالب صاحب ۷۰ برس کی عمر کا سفر طے کر کے [illegible]ھ یا [illegible]ء میں جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

نمونۂ کلام۔

نقد کوئی نہ لے تو کیا کیجئے
آج غالب ادھار ہی بیچو!

بادل گرج رہا ہے یہ طوفانِ آب ہے
غالب ہمارے برف کی مٹی خراب ہے

بہت پٹتا میں غالب رات اظہار محبت پر
مگر یہ خیریت گذری وہ اردو کم سمجھتے ہیں

رات غصے میں آ کے ساقی نے
توڑ ڈالے جو تڑاخ پڑاخ

(ماخوذ تذکرہ شعرائے بدایوں (پاکستان))

فنا بدایونی

احمد حسن خاں نام اور تخلص فنا تھا والد کا نام محمد حسین خاں تھا زمیندار گھرانے میں پرورش پائی تھی ۱۸۸۵ء میں ان کی پیدائش ہوئی تھی ان کا ابتدائی وطن قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں تھا ۱۹۳۲ء میں ککرالہ کو خیرباد کیا اور بدایوں محلہ قاضی ٹولہ میں مقیم ہو گئے۔ ان کا قد ۴ فٹ دو انچ تھا۔ شعر گوئی کا شوق ابتدا سے ہی تھا۔

بدایوں میں مقیم ہونے کے بعد ان کا ذوق شعر و ادب خوب پروان چڑھا اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے گئے وہاں ۱۹۶۴ء میں ان کی وفات ہو گئی۔ شرف تلمذ جناب قمر الحسن قمر بدایونی اور حافظ ظہور احمد نحوی سے حاصل تھا۔ مولوی ابو الحسنین سے محبت و خلوص بہت تھا۔ فرماتے ہیں ؎

فنا سے کیا پتہ پوچھے ہے دلبر اس کے رہنے کا
مکان قاضی محلے میں ہے چوراہے کے کونے پر

انکے چند اشعار اور ملاحظہ فرمائے جو انہوں نے ابو الحسنین کی وفات پر کہا تھا۔

افسوس جدا میرا کیا دوست قضا نے
معدوم ہوئے سب ہی مرے رسم پرانے

کیا خوبیاں مرحوم میں تھیں کیسے ہوں تحریر
غم سے نہیں جو خانے کے بھی ہوش ٹھکانے

کیوں چھا رہی ہے شاعری پہ آج یہ ظلمت
ہیہات چھپایا ہے قمر کو جو گھٹا نے

اپنا تو عقیدہ ہے کہ تھے ذوق اور غالب
اوروں کی خدا جانے کہ وہ مانے نہ مانے

میخانے میں سب سے ہے جو افضل اٹھا تو لا
طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اٹھا تو لا

کرنا نہ درمیان میں کوئی چھل اٹھا تو لا
قصہ یہ ہوگا بعد میں فیصل اٹھا تو لا

قسمت سے آگئے ہیں تو گر کر نہ دے انہیں
مئے پینے کو تو ساغر و بوتل اٹھا تو لا

نقّال لوگ کہتے ہیں شعر مائیں دیکھ کر
دیوان ایاضؔ کا حسنؔ[1] افضلؔ اٹھا لو لا!

---

[1] حسن افضل نام ہے۔

(بشکریہ جناب سبطِ رضا صاحب ایڈوکیٹ)

فگار بدایونی

دلاور حسین، تخلص فگار ہے والد کا نام شاکر حسین تھا
دلاور حسین کا تاریخی نام سعید اختر ہے ۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو بدایوں میں
پیدا ہوئے۔ دو بھائی اور دو بہن تھیں بڑے بھائی اور ایک
بہن کا انتقال پاکستان میں ہو گیا۔ ایک لڑکی ہے جسکا نام نگار
ہے۔ شاعری کی طرف طبیعت کا میلان اوائل عمر سے تھا۔ سنجیدہ
شاعری سے ابتدا کی اور سنجیدہ شاعری میں بھی وہ اپنے ہم عصر شعرا
سے پیچھے نہ رہے۔ ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ منظر عام پر آچکا ہے
فگار صاحب نے ادبی سفر الحاج جانی بدایونی، حضرت جام
نوائی بدایونی، اور آفتاب احمد جج (مرحوم) کی رہبری میں طے کیا
۱۹۵۰ء میں فگار صاحب نے روزنامہ نئی دنیا دہلی سے طنزیہ
قطعات اور منظومات کا سلسلہ شروع کیا۔ یہی دور تھا
کہ ان کی طبیعت کا میلان طنز و مزاح کی طرف ہوا۔ اور آج
مشہور طنز نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ فگار صاحب
نے ایم۔ اے بی۔ ایڈ کیا تھا۔ حافظ صدیق اسلامیہ انٹر
کالج بدایوں میں درس تدریس دیتے رہے۔ بعد میں پاکستان
چلے گئے۔ اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی تصنیفات میں
"حادثہ" ستم ظریفیاں، شامت اعمال۔ سینچری، انگلیاں
فگار اپنی، خدا جھوٹ نہ بلوائے وغیرہ ہیں جو بہت مشہور

ہیں۔ چند قطعات پیش خدمت ہیں ـــ

شاعروں نے رات بھر بستی میں واویلا کیا
داد کے ہنگامے سے سارا محلہ ڈر گیا
اک ضعیفہ اپنے بیٹے سے یہ بولی اگلے روز
رات کیا شور تھا کیا کوئی شاعر مر گیا

سکتہ تھا ایک شاعر اعظم کے شعر میں
یہ دیکھ کر تو میں بھی تعجب میں پڑ گیا
پوچھی جو اس کی وجہ تو کہنے لگے جناب
سردی بہت شدید تھی مصرع سکڑ گیا

شعر کی تخلیق میں مشغول تھی اک شاعرہ
ساتھ ہی بچے کی پیدائش کا ساما ہوگیا
ایک ہی ہنگام میں دو طرح کی تخلیق سے
قوتِ تخلیق کا ہر رخ نمایاں ہو گیا

طالبانِ علم کی نالج کو کیا کہیے فگار!
عدن پڑھتے ہیں عدن کو ادم کو کہتے ہیں ادم
ایک علامہ نے اظہارِ لیاقت یوں کیا
ملتِ بیضا کے معنی لکھ دیے انڈے کی قوم

شاعروں کا ایک عظیم الشان جلسہ تھا فگار
حاضرینِ بزم تھے اس بزم میں گنتی کے تین
اور ان تینوں کی یہ تفصیل بھی سن لیجیے
اک جنابِ صدر، اک سکریٹری۔ اک سامعین

بڑے ہی نیک دل و صلح جو ہیں یہ شاعر
مشاعروں میں یہ بالجبر لائے جاتے ہیں
بغیر داد کے ان میں جھڑپ نہیں ہوتی
یہ مرغ خود نہیں لڑتے لڑائے جاتے ہیں

حاکمِ رشوت ستاں فکرِ گرفتاری نہ کر!
کر رہائی کی کوئی آسان صورت چھوٹ جا

میں بتاؤں تجھ کو تدبیرِ رہائی مجھ سے پوچھ
لیکے رشوت پھنس گیا ہے دیکے رشوت چھوٹ جا

سہرے میں مرثیہ مرثیہ میں سہرا

نظم شروع ہونے سے پہلے پہلا منظر یہ ہے کہ ایک شاعر کا استاد بیٹھا ہوا حقہ پی رہا ہے شاگرد پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ استاد آج اچھے میاں کی شادی ہے اور پیارے میاں کا انتقال بھی آج ہی ہو گیا ہے مجھے آج ہی اچھے میاں کا سہرا اور پیارے میاں کا مرثیہ لکھ دیجئے۔ استاد کے انکار کرنے پر شاگرد ان کی خوشامد کرتا ہے آخر استاد جان چھڑانے کے لئے شاگرد کو سہرے میں مرثیہ کا مصرع اور مرثیہ میں سہرے کا مصرع ملا کر دے دیتا ہے وہ عیدی خواں جاہل شاگرد جو یہ بھی نہیں جانتا کہ مرثیہ کیا ہے اور سہرا کیا ہے وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کیا بک رہا ہے وہ دونوں محفلوں سے ذلیل کر کے نکال دیا جاتا ہے۔

دوسرا منظر شادی کی محفل سجی ہوئی ہے اچھے میاں دولہا بنے بیٹھے ہیں قریب ہی صوفہ پر عروس بیٹھی ہے نکاح ہو چکا ہے۔ شہنائیاں بج رہی ہیں۔ علان ہوتا ہے کہ نوشہ کے دوست پختہ کلام شاعر سہرا پڑھیں گے۔ شاعر صاحب مائک پر تشریف لاتے ہیں! اور یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں ؎

اچھے میاں کا عقد ہوا ہے بہار میں
کہہ دو کسی سے پھول بچھا دے مزار میں
(بوٹنگ)

دولہے حسیں پہ سہرے سے کیسی بہار ہے
اے موت آ بھی جا کہ ترا انتظار ہے
(زبردست ہوٹنگ)

دولہا دلہن شریف گھرانے میں ہیں پلے
لائی حیات، آئے قضا لے چلی چلے

(شاعر پڑھے جا رہا ہے)

نوشاہ کو عروس بڑی ذی ہنر ملی
مرحوم کو حیات مگر مختصر ــــ ملی

یارب بنی کے ساتھ ہمیشہ بنا رہے
یہ کیا رہیں گے جب نہ رسولِ خدا رہے

(لوگ شاعر کو مارنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں)

(آخری شعر)

نوشاہ کو عروج دہ ربِّ جلیل دے
اور اس کے وارثین کو صبرِ جمیل دے

(شاعر کو دھکے مار کر نکال دیا جاتا ہے)

پیارے میاں کی میت رکھی ہوئی ہے لوگ رو رہے ہیں ماتم ہو رہا ہے پوری محفل سوگوار ہے۔ اعلان ہوتا ہے کہ پیارے میاں کے دوست مشہور شاعر صاحب مرثیہ پڑھیں گے۔
آپ یوں مرثیہ پڑھتے ہیں ؎

پیارے میاں کی موت ہوئی ہے بہار میں
مدت سے اقربا تھے اسی انتظار میں

(لوگ شاعر پر لاحول پڑھتے ہیں)

پیارے میاں کے سوگ میں دل بیقرار ہے
ساون کے گیت گاؤ فضا خوشگوار ہے

(ہنگامہ)

پیارے میاں کو عمر بڑی مختصر ملی
مدت کے بعد آج یہ اچھی خبر ملی

(کیا بکواس ہے آوازیں)
پیارے میاں چلے کہ قضا ان کو لے چلی
اچھا ہے خاندان کے سر سے بلا ٹلی

(لوگ شاعر کو مارنے کو کھڑے ہو گئے)

اب ضبط تو یہ صدمہ بھی کرنا ہی چاہیئے
اس عمر میں تو تم کو بھی مرنا ہی چاہیئے

فردوس میں گھر ان کو وہ رب جلیل دے
اور ان کی اہلیہ کو بھی عمر قلیل دے

(لوگ شاعر کو مار کر بھگا دیتے ہیں)

نگار صاحب کے مجموعۂ کلا-
خدا جھوٹ نہ بلوائے سے
اخذ کیا۔

قفسؔ گنواری

صفدر کریم نام ہے اور تخلص قفسؔ۔ والد کا نام اصغر علی تھا۔
ان کی پیدائش گنور (بدایوں) میں ۱۹۲۱ء کو ہوئی۔ آپ سنجیدہ کلام بھی کہتے ہیں۔ سنجیدہ شاعری میں تخلص صفدرؔ فرماتے ہیں۔ طنز و مزاح کے علاوہ ان کے کئی ناول اور کئی مجموعہ کلام بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تصانیف ہیں "اسرار و آگہی" "خزاینۃ الجفر" "اسالیب سخن" "تاریخی حقیقتیں" "سیر النجوم" "تاریخی مادے" "اشعاع الاعداد" "محلات رمل" ہیں۔ ان کے مزاحیہ کلام کا نام --- "چھیڑ خوباں سے چلی جائے" ہے۔ ابر احسنی مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ آج کل پاکستان کراچی میں مقیم ہیں۔ ان کا نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے:-

سودا مرے ایماں کا جا شیخ نہیں ہو گا
سکہ تیری مٹھی میں کھوٹا نظر آتا ہے

مانجھا ہمیں انگلش نے دھویا ہمیں انگلش نے
ہر عاقل و بالغ اب گودا نظر آتا ہے

یہ آج کا ملاّ جو ادب میں نہیں آیا
ارباب سیاست کا مہرا نظر آتا ہے

ہر خوف زدہ میں خود آہٹ پہ قفس اپنی
محلوں میں تو ہمّ کے ہوّا نظر آتا ہے

[ماخذ:۔ 'کاروانِ ابر'
از شاداب ذکی]

قفس سنبھلی

نام مجاہد حسین ہے تخلّص قفس فرماتے ہیں۔ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی گھرانے کی مشہور یادگار "مچھلی محل" سنبھل میں رہائش ہے۔ اسی رہائش گاہ میں ۱۴ر جون ۱۹۲۴ء کو پیدائش ہوئی والد صاحب کا نام عابد حسین تھا۔ خلش تخلّص فرماتے تھے سنبھل میں ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی ہے۔ ۲۰ سال کی عمر سے شعر کہہ رہے ہیں۔ ابتدائی شاعری میں اپنے والد صاحب سے مشورۂ سخن کیا۔ ان کی وفات کے بعد محترم اعجاز وارثی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ شروع سے ہی ان کی طبیعت طنز و مزاح کی طرف راغب ہے۔

نمونۂ کلام :-

دردِ دل کی دوا لے گئے!
ان کے والد بلا لے گئے!
ان کے جاتے ہی دم گھٹ گیا
کیا وہ آب و ہوا لے گئے!

ہماری عاشقی بس اس گھڑی چھپڑ پہ رکھی تھی
ترے ڈیڈی نے جب لاٹھی ہمارے سر پہ رکھی تھی

زمانے کی نظر جب کوٹ کے استر پہ رکھی تھی
مری تنخواہ ساڑی پہ کبھی جمپر پہ رکھی تھی

کبھی سالا کبھی سالی ہمارے گھر پہ رکھی تھی
مصیبت ایک کے بعد ایک اپنے گھر پہ رکھی تھی

سرِ مسند فروکش تھے وہ پہنے الٹا پاجامہ
مری تشریف یارو جب پھٹے ٹٹّر پہ رکھی تھی

بہت مجبور ہو کر ہم نے آئینِ وفا بدلا
ہمارے پاؤں کی جوتی ہمارے سر پہ رکھی تھی

قفسؔ دو چار دن کے بعد ہی وہ گر پڑی سر سے
جو دستارِ فضیلت ہم نے اپنے سر پہ رکھی تھی

(بشکریہ جناب قفسؔ سنبھلی)

قلم سیتھلی

احمد اصغر زیدی نام قلم تخلص تھا ستمبر ۱۹۲۶ء کو ایک معزز زمیدار خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی اپنے ماں اور باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ شرارت اور جدّت پسندی ان کی فطرت میں شامل تھی۔ بچپن سے ہی شعر گوئی کی طرف راغب تھے۔ مڈل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا دبیر کامل و ممتاز الفاضل کے امتحانات بھی سر کیے چند سال ناظمیہ عربی مدرسہ لکھنؤ کے بھی طالب علم رہے۔ لکھنؤ میں ہی فاضل طب کر کے حکیم بنے۔ محکمہ نہر تحصیل سے استعفیٰ دے کر سرکاری اسپتال میں حکیم بھی رہے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ نہایت حاضر جواب زود گو اور مختصر جملے میں ایک مضمون کی وسعت پیدا کرنا ان کی خصوصیت میں شامل تھا۔ شاعری انہیں ورثہ میں ملی تھی ان کے والد محمد حسین کا کلام سننے والے موجود ہیں۔ ان کے دادا مولوی علی افضل زیدی کا کلام عوام نے بہت پسند کیا۔

وہ اپنے مدرسہ کے استاد شاعر مولانا زاہد علی زاہد سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ وہ ایک مخصوص لباس زیب تن فرماتے تھے عوام ان کو ہزاروں لوگوں میں پہچان لیا کرتے تھے۔ جتنی دیر تک وہ اسٹیج پر رہتے تھے لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر قہقہے لگاتے اور داد دیتے۔ ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء کو ان کا انتقال ہوا

شعرائے سیتھل کے علاوہ بابائے ادب جناب مہذب لکھنوی نے مصرع تاریخ وفات لکھا۔

خلد میں ہیں شادماں شاعر اہل قلم

۱۹۷۲

ان کا نمونہ کلام پیش خدمت ہے

شاعر تھے باپ ذکر میں نانا کا کیا کروں
دونوں طرف سے شاعری ورثہ ہرا ہوا
استادِ محترم مرے زاہد علی گئے
اب لکھوں اور دکھاؤں کسے میں لکھا ہوا
فطری ہے شوق میں بھی نہ برداشت کر سکا
دیکھا تخیلات میں محشر بپا ہوا

غزل :-

کون ہے جس کو اعتبار نہیں
حسن پر عشق کا مدار نہیں

یہ تپش آتشِ فراق کی ہے
جاؤ لوگو مجھے بخار نہیں

بولے ٹھینگے سے مانگئے بوسہ
آپ کے باپ کا ادھار نہیں

دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے تالی
ایک میں ہی قصوروار نہیں

سو رہا ہوں میں اے شب فرقت
قابل داد انتظار نہیں

دیکھ کر وہ کفن کو کہتے ہیں
کیوں گریبان تار تار نہیں

انکے وعدے ہوئے غلط اتنے
جن کی گنتی نہیں شمار نہیں

اے قلم کیا برا زمانہ ہے
جس پہ دیتے ہیں جان یار نہیں

قطعہ

حُسن کی آب و تاب کیا کہنا
اس پہ عہدِ شباب کیا کہنا
ہے سہاگا یہ اور سونے پر!
جلوۂ بے نقاب کیا کہنا

کچھ یاد بھی ہیں پہلی ملاقات کی باتیں
تا صبح جمعہ شام جمعرات کی باتیں
بولے کہ جیو، خواب و خیالات کی باتیں
دن میں نہیں ہوتی ہیں کبھی رات کی باتیں

شبِ وعدہ نہ کر سکے ہم خون
گو گریباں تار تار رہا

خدا کی شان ہر شئے سے عیاں ہے   وہ اندھے ہیں جو کہتے ہیں کہاں ہے

(بشکریہ جناب آدکی ستیعلی ٹریزری آفیسر)
بدایوں

گرگس سہسوانی

نام شمیم الحسن عرفیت لڈن۔ تخلص گرگس فرماتے تھے۔ والد کا نام منشی قمر الحسن تھا پولیس میں ہیڈ کانسٹبل تھے سنہ ۱۹۴۰ء میں مین پوری سے اردو میڈل کیا تھا۔ اردو پر اچھی دسترس رکھتے تھے۔ ان کی پیدائش سنہ ۱۹۱۶ء کو سہسوان ہی میں ہوئی تھی۔ شعر کہنے کا بچپن سے شوق تھا سنہ ۱۹۴۹ء میں جناب شوق سہسوانی کے شاگرد ہو گئے ان کی وفات کے بعد جناب واحد حسین سہسوانی کو اپنا کلام دکھایا۔ سہسوان میں وہ طنز و مزاح میں ایک مقام رکھتے تھے۔

نمونۂ کلام:-

پی کے بھٹی سے جو اک رند بلا نوش چلا
جب ہوا ہوش سے بے ہوش تو نالی میں گرا
منہ میں جب کتے نے پیشاب کیا تو بولا
ساقیا اور پلا --- اور پلا اور پلا

مادرِ ہندوستاں کی گود سے
ایک جنتا نام کا بچّہ ہوا!
یاد کر کے رو رہا ہوں میں اسے
ڈھائی سالہ عمر پا کر مر گیا

نظم

بھر کے سر میں ڈھیر سا سندور بیگم صاحبہ
بن گئی ہیں جانے کیوں لنگور بیگم صاحبہ
یوں چلیں ہیں آج کرنے ٹور بیگم صاحبہ
جیسے جا کے لیں گی دم میسور بیگم صاحبہ
آپ کی تعریف کو الفاظ ملتے ہی نہیں
ہو سراپا نور تم اک حور بیگم صاحبہ
تم جو میک اپ کر کے بن جاتی ہو چودہ سال کی
اور پھر لگتا ہوں میں لنگور بیگم صاحبہ
آپ نے بچوں کی کر ڈالی ہے ایسی ریل پیل
عشق میرا ہو گیا کافور بیگم صاحبہ
کھل اٹھیں گی ایک دن پروین بابی کی طرح
روز اگر کھاتی رہیں انگور بیگم صاحبہ

بات جب بھی راز کی ان کو بتاؤں گا کبھی
پھونک دیں گی شہر بھر میں ضرور بیگم صاحبہ
ساٹھ سے اوپر ہی ہو گی عمر اب تو آپ کی
پھر بھی لگتی ہو مجھے تم حور بیگم صاحبہ
ریل گاڑی میں بھی اک بچہ تولد ہو گیا
کر رہی تھیں اس گھڑی بھی لوڈ بیگم صاحبہ
آپ کے میکے سے آجاتا ہے جب مہماں کوئی
گھر سے کر دیتی ہیں مجھ کو دور بیگم صاحبہ
تم تو میکے جا کے مجھ کو بھول ہی بیٹھیں مگر
میں تمہارے غم میں ہوں رنجور بیگم صاحبہ
دیکھنے والے پٹاخہ جان کہتے ہیں تمہیں
اور کہتے ہیں مجھے لنگور بیگم صاحبہ
حضرتِ گرگس کی جیب سے ہو گئی ہے پینشن
اور بھی رہنے لگیں ہیں دور بیگم صاحبہ

سن رسیدہ ڈاکٹر

ہیں ہمارے شہر میں اک سن رسیدہ ڈاکٹر
دیکھ کر روگی کو کہتے ہیں اسے ہے کینسر

طبِ یونانی کا ملکہ ایلوپیتھک میں گرو
ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کہلانے لگے ہیں چار سو
یہ بھی دعویٰ ہے کہ اتنی قابلیت ہے انہیں
شاعری کے ہر مرض سے واقفیت ہے انہیں
وہ تو یہ کہیے کہ قسمت ان کو لے آئی یہاں
ورنہ ان کی قابلیت اور مفلس سہسواں
چار چھے دن جس نے لگ کر کر لیا ان کا علاج
پھر سول سرجن بھی کہہ دیگا کہ ہے یہ لاعلاج
ایک دن ان کے مطب میں میں بھی پہنچا الغرض
میں نے پوچھا واقعی مجھ کو بھی ہے کوئی مرض
نبض میری دیکھ کر یوں مسکرائے زیرِ لب
صاف ظاہر ہے تمہارے لو پریشر کا سبب
پھر یہ بولے آپ تیرہ سال سے بیمار ہیں
پیٹ کی ہر آنت میں اٹکے ہوئے اشعار ہیں
جس کے باعث رات دن سینے میں رہتی ہے جلن
ڈر ہے لے ڈوبے نہ اک دن آپ کو مشقِ سخن
وزن ہے کچھ کا غلط اور کچھ کی ہے صورت قبیح
مصرعۂ اولیٰ میں سستی مصرعۂ ثانی قبیح
کچھ ہیں خارجِ بحر اور کچھ کے ہیں بھونڈی ردیف
کچھ کی تو املا غلط اور کچھ کے ہیں مضمون ضعیف
فارسی اشعار میں بھی ہے اضافت کی کمی
کچھ میں ایطائے خفی ہے کچھ میں ایطائے جلی

کچھ تو اردو ہو گئے ہیں اور کچھ چودی کے ہیں
کچھ ہیں اصغر گونڈوی کے اور کچھ فانی کے ہیں
شاعری کرتے ہو تو گانے کا فن بھی سیکھ لو!
ورنہ بہتر ہے کہ ذوقِ سخن ہی چھوڑ دو!
صبح اٹھ کر روغنِ بادام بھی سر پر ملو
آمدِ اشعار میں جس سے گرانی دور ہو
حلق میں پھر ڈال کے انگلی غرارا بھی کرو
تاکہ کچھ آواز میں پیدا لچک ہو لوچ ہو
پھر کرو ہندی کویتاؤں کی بھی کچھ انتی[۱،۲]
تب ملے گی عقل کے کیٹاڑوں کو کچھ بلی
ہو گا اس پرکار ہندی اور اردو کا ملن
اس یہ نربھر ہے ہماری سنتھاؤں کا چلن
الغرض میں اپنے سر کو پیٹ کر جلنے لگا
تاکہ مجھ کو مل سکے کچھ سوچنے کا حوصلہ

[اخذ کیا گیا:۔ شگوفہ، شمارہ ۱۱، جلد ۱۲، ۱۹۷۹ء]

۱ کویتاؤں۔ نظموں، ۲ انتی۔ ترقی،
۳ کیٹاڑوں۔ جراثیم، ۴ اس پرکار۔ اسی طرح
۵ نربھر۔ منحصر،

کشنیز بدایونی

نام عبدالسمیع والد کا نام مولوی عبدالوحی تھا محلہ سید بارہ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ۷ نومبر ۱۸۹۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ چندوسی میں رہ کر دسویں درجہ تک تعلیم حاصل کی۔ بہت سے ڈرامے بھی لکھے جو بہت مشہور ہوئے۔ چندوسی میں ایک ناٹک کمپنی (بھی) تیار کی تھی جو ان کے لکھے ہوئے ڈرامے کھیلا کرتی تھی۔ بہت ہی سادہ مزاج اور سادہ لباس انسان تھے اولاد کوئی نہیں ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں بمبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا ایک مزاحیہ دیوان " کلام کشنیز " کے عنوان سے کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ کشنیز صاحب سنجیدہ کلام میں آرزو تخلص فرماتے تھے۔

نمونۂ کلام!

مجھ کو دعوت کے بہانے سے بلایا اس نے!
میرے کھانے کے لئے بھینس کی سانی کر دی

وصل کی رات مجھے چین سے سونے نہ دیا
جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی

دو بیویوں میں سب ہے مری دولت بٹی ہوئی!
کچھ اس دلہن کے پاس ہے کچھ اس دلہن کے پاس

دَور میں ساغر ہے گردش میں پیکّا تال ہو
میکشوں کے سر پہ یارب سوتھ کی ندی رہے

اللہ انہیں دعوائے سخندانی ہے
ہائے حطّی سے جو ہاتھی کو لکھا کرتے ہیں۔

نوٹ:- (بشکریہ محترم مبارک شمیم صاحب) [illegible] سے دستیاب ہوا

کلڑ ککرالوی

نامدار خاں نام کلڑؔ تخلص فرماتے تھے والد کا نام میاں خاں تھا عام طور سے لوگ پہلوان کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ تعلیم واجبی تھی ان کی پیدائش ککرالہ میں ۱۹۲۵ء کو ہوئی اور ۱۹۷۵ء کو وفات پائی۔ انہوں نے کسی سے تلمذ نہیں کیا مزاج میں ظرافت کے سبب ظریفانہ شعر خوب کہتے تھے۔ پورب تھوک ککرالہ ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے۔

نمونۂ کلام :-

غریبی کے سبب ہم ٹیکس دینے سے بھی قاصر ہیں
کرائے پر اٹھائیں گے میاں بیوی مکان اپنا

برتن بہت سے جمع ہیں کندن کمہار کے
کچھ کلسیاں ہیں راب کی مٹکے اچار کے

لڑکے بہت شریف ہیں کنجن لوہار کے
کھاتے ہیں پیتے حکم سے پروردگار کے

بیوی کے زیورات نے حیران کر دیا
روزانہ حاضری ہے فقیرِ سنار کے

کلرک کو منہ لگانا ذلیلوں کا کام ہے
صحبت میں آ کے بیٹھے کوئی نامدار کے

(بشکریہ جناب ڈاکٹر صداقت اللہ صاحب)

آگاہ

نام سید نسیم طاہر زیدی ہے تخلص آگاہ فرماتے ہیں یہ اپنے آبائی وطن قصبہ پہانی ضلع ہردوئی میں یکم ستمبر ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے وہیں سے انہوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اس کے بعد۔ ایل۔ ایم۔ ایس کیا پیشہ ڈاکٹری ہے۔ ۱۹۵۵ء سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اور قیصر شکیلی شاہجہانپوری سے اصلاح لیتے رہے۔ ان کی مطبوعات میں ایک کتابچہ ۱۹۷۹ء میں "یہ خون رنگ لائے گا" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ فی الحال شاہجہانپور میں ڈاکٹر زیدی اسپتال، محلہ رنگین چوپال میں مقیم ہیں سلیس اور سادہ زبان میں شعر کہتے ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے

خانہ جنگی

کہا اک ساس نے اپنی بہو سے سُن ری حرّافہ
زباں گدّی سے تیری کھینچ لوں گی ورنہ چپ ہوجا

بہو کب دبنے والی تھی اسے بھی آ گیا غصہ
کہا - میں جانتی ہوں پھولتی ہے جس پہ تو، بڑھیا

ذرا گھر آنے دے اُسی کو میں اُسکی بھی خبر لوں گی
میں بیوی ہوں کہ لونڈی آج اس سے یہ بھی پوچھونگی

بہت ٹرّا چکی کمبخت چل ہٹ کام کر اپنا
بتاتی ہوں کبھی پورا نہیں ہوگا، ترا سپنا

جلوں میں رات دن چولھے میں اور تو عیش فرمائے
میں تھوپوں روٹیاں تو بیٹھ کر آرام سے کھائے

یہ سُن لے کھول کر تو اپنے دونوں کان اے بڑھیا
ہمیشہ کی طرح تو ہی کرے گی کام سب گھر کا

بھلا ساس ایسی باتیں کب گوارا کرنے والی تھی
بگولہ ہو گئی غصے سے اور یہ ڈانٹ کر بولی

بتا اے مالزادی کیا مجھے کمزور سمجھا ہے
بڑے سے سیر بھر کا گھی کنوارے پن میں کھایا ہے

ابھی چوٹی پکڑ کر جوتیاں تیرے لگاتی ہوں
نہ بالوں گی قسم اپنے مرے بابا کی کھاتی ہوں

دیا وہ ساس نے دھکا بہو صدرے سے تیورائی
سنبھلنے کی بہت کی اُس نے کوشش پر نہیں پائی

گری بے ساختہ فرشِ زمیں پر اس قرینے سے
لڑھکتا جائے گر کر جیسے کوئی تنگ زینے سے

بہو بھی چست تھی وہ دوڑ کر جھاڑو اٹھا لائی
سنبھل کر ساس کی کرنے لگی وہ خوب ستھرائی

بہو بڑھیا پہ اب ہر زاویے سے چوٹ کرتی تھی
پڑے گی ضرب کاری کس طرف سے لوٹا کرتی تھی

دیا دھکا۔ گرایا۔ انگلیاں اس کی چبا ڈالیں
بڑی بی کی گتیں جو بن سکیں اس نے بنا ڈالیں

نہیں جب ساس سے دیکھی گئی بے چارگی اپنی
وفورِ سوزِ پنہانی سے چھاتی پیٹ لی اپنی

کہا تجھ کو اسی دن کے لئے لائی تھی مُسٹنڈی
اجاڑوں تیری صورت کو اجاڑوں تجھ کو اے رنڈی

وہ غارت ہو کے جس کی کوکھ میں تھی ہستی بیٹی
اسے موت آئے جس نے ہائے تجھ جیسی جنی بیٹی

کرا دوں آج تیرا فیصلہ کلّو کو آنے دے
ذرا جھاڑو کی چوٹیں جسم پر اسکو دکھانے دے

وہ اُٹھی اور اٹھ کر ساس کو اک زور سے پٹکا
کہ سر چکرا گیا اُس کا کمر میں آ گیا جھٹکا

ڈٹیں دونوں تھیں مرغوں کی طرح کچھ ایسی آپس میں
الگ اُن کو کوئی کر دے بھلا یہ کسکے تھا بس میں

بہو تھی ساس پر حاوی اچانک ہو گئی گڑبڑ
یہی آواز آتی تھی تڑا تڑ تڑ تڑ تڑا تڑ تڑ

دو لتّی ایک بڑھیا نے اچانک گھوم کر ماری
بہو اُچھلی اچھل کر جا گری اور کھل گئی ساری

بہو پر ساس لیکر پل پڑی تھی ہاتھ میں جوتا
پڑوسی چھت سے چلائے بک اپ بوڑھا بک اپ بوڑھا

کمر لچکیلی ننگی تھی۔ کہاں اب اس پہ تھی اب دھوتی
صدف کے نیم وا لب وا ہوے کہ نے لگے موتی

چھٹکارا

ایک سہیلی نے یہ پوچھا دوسری کے جا کے پاس
میری بنّو یہ بتاؤ اس قدر ہو کیوں اداس

ہوں پریشان اس لئے مجھ کو چلا ہے یہ پتہ
میرا ہونے والا شوہر رات دن کھیلے جوا

یہ تو اچھی بات ہے تجھ کو مزہ آجائے گا
اس بہانے چولھے اور چکی سے چھٹکارہ ملا

ہار جانے پر نہ ہوگا کچھ پکانے کے لئے
جیتنے پر آئے گا ہوٹل سے کھانے کے لئے

(ڈاکٹر زیدی گنہگار شاہجہانپور)

گلچیں بدایونی

تلاش کرنے کے باوجود گلچیں بدایونی کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ اخبار "روہیلکھنڈ" ۵ اپریل ۱۹۲۲ء سے ان کا کلام دستیاب ہو سکا۔
ملاحظہ فرمایئے

میونسپل کمشنر

نہ تھے جب تک وہ میمبر بورڈ کے ان کا یہ دعویٰ تھا
میں جس پر ہاتھ رکھ دوں گا اسے میمبر بنا دوں گا
ہوئے اب خیر سے میمبر تو ہے تکیہ کلام ان کا
اسے لو کر رکھا دوں گا اسے ٹھیکا دلا دوں گا

کہیں مشاعرے ہوتے ہیں اور کہیں بلوے
ہمارے شہر میں ہوتا ہے عرس مولانا!
ہیں کتنے نیک سگن نیک فال یہ تیوہار
جنہیں مناتے ہیں سب لوگ مل کے سالانا

وجد میں ہے آج اے گلچیں فضائے کائنات
ہے نزولِ رحمتِ حق آسماں سے تا زمین
خانقاہِ شیخ میں بزمِ سخن کا انعقاد
چند تو ہیں منقبت گو چند ہیں سامعین

آپ ہی کی فتح ہو گی برسرِ میدانِ جنگ
شرط اتنی ہے کہ دشمن شہرۂ آفاق ہو!
دوستا پر اب اعتبارِ دوستی گلچیں غلط
دوست بن سکتا ہے وہ جو دشمنی میں طاق ہو

جو اُن کو دیکھتا ہے گیت ان کے گانے لگتا ہے
ہمارے شاعرِ اعظم کی کیا شکل و شباہت ہے
نہیں چھپتیں جن اخباروں میں گلچیں ان کی تصویریں
ہمیں دنیا کے اُن اخبار والوں سے شکایت ہے

حاسدوں سے خلوص کی امید
جان اور آبرو کے لالے ہیں
ہم نہ کہتے تھے تم سے اے گلچیں
آستینوں میں سانپ پالے ہیں!

لوٹ چکا پیمانِ محبت!
سانس نہ لو اب گہرے گہرے
دوست ملیں گے اور بھی تم کو
لنگڑے لولے گونگے بہرے

[ماخذ :۔ اخبار روہیلکھنڈ
۵، اپریل ۱۹۶۱ء]

لفٹ گنوری

محمد الیاس نام اور تخلص لفٹ فرماتے ہیں والد کا نام فرقان علی خاں ہے۔ پیدائش یکم جولائی ۱۹۵۶ء کو قصبہ گنوری بدایوں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گنوری ہی میں حاصل کی۔ ایم۔ اے ہندی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے پاس کیا۔ ایس۔ ایس لین پڑھ کر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت استاد شعبۂ ہندی منسلک ہیں۔ ترجمہ پر ایک کتاب "گورنمنٹ آف انڈیا" کی جانب سے شائع ہو چکی ہے۔ لفٹ صاحب رمز آفاقی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

لو سناتا ہوں میں قصہ آپ کو زہ جبین کا
صاد کا کچھ ضاد کا کچھ عین کا کچھ غین کا

ایک شام آیا نکل کر میں جو گھر سے مارکیٹ
ہو رہی تھی چند لوگوں میں وہاں پر مار پیٹ

کیا عجب منظر تھا لوگو کیا عجب تھا ماجرہ
اودھر ی مکا بڑی تھی زخم خوردہ باجرہ

سر پہ مارے تھا کوئی جب پاؤں سے جوتی نکال
شرم سے مونگ و چنا ہو جائے اس دم دال دال

میں بھی ہمت کر کے پہنچا ایک صاحب کے قریب
پھر بہ دقت ان کو پہچانا وہ تھے عبدالحبیب

سر سے اُن کے بھی رواں تھا دوستو تازہ لہو
سچ یہ ہے پوری طرح وہ ہو چکے تھے سرخ رو

میں نے جب ان سے یہ پوچھا آپ کیوں دولہ بنے
کر کے وہ ایک سمت اشارہ مجھ سے یوں کہنے لگا

بیج ہے یہ لعنت اس انسان کا بویا ہوا
جو نظر آتا ہے اب نالی میں ادھ سویا ہوا

رکھ کے وہ انٹی میں بوتل پی کے تھوڑی سی شراب
آگیا جانے کہاں سے یہ لعین خانہ خراب

(ماخوذ از نظم زوجین)

ماہر

بانکے لال نام تھا۔ تحصیل گنور بدایوں کے رہنے والے تھے۔
کرتا پاجامہ اور کبھی دھوتی کرتا زیب تن رہتا تھا اور چشمہ لگاتے تھے۔
تحصیل میں اہلکار تھے۔ مے نوشی ان کی زندگی تھی۔ مشاعروں میں
ان کو ہمیشہ سرور کے عالم میں ہی دیکھا گیا۔ ان کا اندازِ بیان بہت
بے باک تھا۔ وہ مشاعروں کی جان ہوا کرتے تھے۔ مزاج میں
ظرافت کے سبب وہ مزاحیہ شعر خوب کہتے تھے اور سامعین سے
خوب داد حاصل کرتے تھے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

یہ تعلق بھی ہے دلربا دوستو
میرا رہزن میرا رہنما دوستو

لیلیٰ شیریں میں اک فاصلہ دوستو
ہے مگر زلف کا سلسلہ دوستو

رہنماؤں سے ہم کو سبق یہ ملا
جیل جانا ہے کارِ وفا دوستو

جام میں جتنی ہے آج پی لو ابھی
کل کا کیا دیکھنا آسرا دوستو!

محفلِ یار میں جام چلتے رہے
اپنے ماہتر کی اتنی دعا دوستو

قلیل تنخواہ کی وجہ سے میں کچھ سہاروں کو ڈھونڈتا ہوں
جو خود پئیں اور مجھے پلائیں میں ایسے یاروں کو ڈھونڈتا ہوں

ماہتر نہیں بہکے گا اِک چھوٹی سی پیالی سے
دادا کے زمانے سے مٹکوں میں شراب آئی

ماخذ:۔ (تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں)

موج

رام سروپ نگم نام، اور تخلّص "موج" تھا۔ ان کے والد کا نام منشی شنو نرائن نگم تھا۔ محلہ پیپائی سرائے بدایوں کے رہنے والے تھے۔ موج مزاحیہ شعر کہتے تھے۔ کافی تلاش کرنے کے بعد ان کا صرف ایک شعر دستیاب ہو سکا

سُنتے ہیں آج موج کا چالان ہو گیا!
بھٹی سے لے کے بھاگا تھا بوتل شراب کی

ماخذ:۔ (تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں)

مجھّر فخری سنبھلی

سنبھل کے تابندہ ستاروں میں ایک ستارہ مجھّر فخری سنبھلی تھے۔ ان کا اصلی نام نور محمد خاں تھا۔ ان کا آبائی وطن سنبھل مرادآباد ہے ان کے والد الحاج علیم اللہ علیم معروف نعت گو اور میلاد خواں تھے۔

۱۹۲۲ء کو حکیم کی سرائے علیگڑھ میں پیدا ہوئے۔ (تذکرۂ سخنورانِ سنبھل) ان کی پرورش اور ابتدائی تعلیم آبائی وطن سنبھل میں محلہ ڈونگر سرائے میں ہوئی۔ حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ ہوسکی۔ تلاشِ روزگار کے سلسلے میں گجرات کے مشہور شہر احمد آباد چلے گئے۔ وہاں انہوں نے مختلف قسم کے کاروبار کیے۔ بالآخر پیراماؤنٹ ریڈی میڈ اسٹور کی شکل میں مستقل ذریعۂ معاش ہاتھ آیا اور احمد آباد ان کا وطن ثانی بن گیا تھا جہاں وہ زندگی کی مقیم رہے۔

شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا۔ والدِ ماجد کی نعت گوئی اور میلاد خوانی کے شوق نے ان کے شعری شوق کو جلا بخشی۔ ان کو فطری رجحان اور ذوق نے طنز و مزاح کی راہ دکھائی اور موصوف نور محمد سے 'مجھّر سنبھلی' ہو گئے۔ گجرات میں دبستانِ غالب کے نمائندے اور معروف شاعر

حضرت فخرؔ گجراتی کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اور اسی نسبت سے مچھرؔ فخری کہلائے۔

ان کا پہلا مجموعہ "بھنبھناہٹ" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ "مچھر دانی" ترتیب دینے کے بعد طبع کرانے کی تیاری میں مصروف تھے کہ قضا و قدر کے بے رحم ہاتھوں نے ۱۸، نومبر ۱۹۸۸ء کو ہم سے جدا کر دیا۔

مرحوم کو شعر گوئی کے ساتھ ساتھ اردو صحافت سے بھی لگاؤ تھا۔ انہوں نے احمد آباد میں ۱۹۸۲ء دو ماہی جریدہ "اُجلی تحریر" جاری کیا مگر اس کی عمر زیادہ نہ ہو سکی اور جلد بند ہو گیا۔ مرحوم سادہ وضع قطع اور کم گو انسان تھے۔ تصنع بناوٹ سے بے نیاز تھے۔ کلام میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے ھیں!

ایسے لیڈر کو میں کیا شہد لگا کر چاٹوں
ذہن میں رکھتا ہو جو قومی فسادات غلط

جانور کوئی بھی ہو کاٹے وہ شب بھر لیکن
ان کو یہ ضد ہے کہ بس ہم کو نہ مچھر کاٹے

حسن نے اک پل میں مٹا دی ہستی نمرودیت
میں وہی مچھر ہوں یارو تم نے پہچانا مجھے

کنارا اس کی محبت سے کر لیا لیکن!
جو دیکھے بیچ میں ہم نے کسی دلال کے ہاتھ

میرے افسانۂ الفت کو وہ پڑھ کر بولے
سارے الفاظ غلط سارے خیالات غلط

زمانہ یاد رکھے مجھ کو ہوں وہی مچھر
مرا ہے جس کے اک حملے سے ناخلف نمرود

ماخذ
اخبار ہماری زبان ۱۵ اپریل
۱۹۸۸ء

مستؔ گنوری

مستؔ مرحوم نظم کے بلند پایا شاعر تھے۔ ان کا نام حشمت اللہ تھا اور والد کا نام کفایت اللہ پہلوان تھا۔ مستؔ ۱۸۹۲ء گنور ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ شرف تلمذ حضرت احسنؔ مارہروی سے حاصل تھا۔ ان کی غزلیات کا مجموعہ "داستان در داستان" منظر عام پر آچکا ہے۔ طنز و مزاح میں آپ کو دسترس حاصل تھی ایک بیاض جو "خرافات مستؔ" کے نام سے مجموعہ کلام سے مکمل تھی اب دستیاب نہیں ہے۔ البتہ آپ کی بہت سی نظمیں مختلف بیاضوں میں موجود ہیں۔ مستؔ گنوری نے طنز و مزاح میں کافی شہرت پائی اور اردو کو بہت کچھ عطا کیا۔ مستؔ گنوری نے ۱۹۷۲ء میں وفات پائی۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

مستؔ صاحب شاعری کی جملہ اصناف غزل، نظم، قطعہ وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔

کون کہتا ہے کہ ہے ہمدمِ مکرر سہرا
لایا ہے سیٹھ میں اب پانچواں نمبر سہرا

رو سیاہی نہ کرے بہہ کے خضابی داڑھی
اس لیئے دھوپ میں لایا ہے سکھا کر سہرا

خشخشی مونچھ عیاں ہو تو فرنچی داڑھی
رخ سے ہٹتا نہیں یوں بال برابر سہرا

داڑھی کالی ہے گھٹا کالی ہے راتیں کالی
ہر طرح ہے شب دیجور سے بہتر سہرا

نشۂ عیش سے جنبش میں نہیں ہیں لڑیاں
سر میں رعشہ کا پتہ دیتا ہے ہل کر سہرا

پہلی ٹکڑوں میں تو نوشاہ کا دم بھول گیا
رکھ دیا بادر کے دلہن کے برابر سہرا

لوٹتا پھرتا ہے پیری میں جوانی کی بہار
ڈگڈگی تھامے ہوئے مست قلندر سہرا

(ایک دوست کے پانچویں شادی پر)

[بشکریہ جناب اسلم حنیف گنوری
بدایوں۔

مورخ

ان کا نام حسین احمد اور تخلص مورخ تھا۔ محلہ سوتھہ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ مورخ صاحب سبزی منڈی کی دوکانوں میں جوتوں کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کو کبھی طب پڑھنے کا بھی شوق ہوا تھا۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی اور تعلیم ادھوری ہی رہ گئی۔

مورخ صاحب کا ایک لطیفہ بہت مشہور ہے۔ جس زمانے میں وہ جوتا سازی کا کارخانہ سبزی منڈی بدایوں کی دوکانوں میں چلا رہے تھے۔ مولوی قمرالدین قمر فرشوری "بزم اکبر" کے مصنف کا گذر مورخ کی دوکان پر سے ہوا۔ مورخ صاحب نے فرمایا 'کہیئے دوں جوتا'۔ قمر صاحب نے برجستہ فرمایا 'لوں جوتا'۔ مورخ صاحب نے اس واقعہ کو نظم کر دیا۔
فرماتے ھیں!

کہا میں نے کہ دوں جوتا تو وہ بولے کہ لوں جوتا
مرے گاہک مورخ مجھ سے بڑھ کر مسخرے نکلے

ہمیشہ شاہاں بہ امید ترحّم
مورخ بر درت زار و حزیں است

تذکرہ شعرائے بدایوں
کراچی پاکستان

رمشتر

نام سید ضیا علی تھا اور تخلص مشترؔ فرماتے تھے۔ ان کے والد کا نام سید فدا علی تھا۔ محلہ برہام پور بدایوں کے رہنے والے تھے۔ آپ کو مولانا قمر الحسن قمرؔ بدایونی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ بدایوں میں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے کتابوں کے بہت شوقین تھے ان کے ذاتی کتب خانے میں کئی ہزار کتابیں تھیں جو بیش بہا کتب پر مشتمل تھیں۔ کتابیں کا قلمی کتب خانہ کے نام سے باقاعدہ ترتیب دی گئی تھیں۔ صاحب تذکرہ "خندۂ گل" مولانا عبد الباری آسی نے اپنے تذکرے میں آپ کا ذکر کیا ہے "نغمۂ ظریف" میں بھی ان کا کلام ہے۔ جو ظریف شعراء "تلامذۂ قمرؔ بدایونی" کے ذکر پر مشتمل کتاب ہے

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم ہستی میں تھا
غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ٹھان لی تھی میں نے میں، بھی جیل خانے جاؤں گا
جب سنا میں نے کہ وہ بت خانۂ دشمن میں تھا

آج اُس کی صوبہ داری کا معمہ کھل گیا
دو ٹی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا

سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں!
ایک مٹھی بھر نمک اک تشتری کے سالن میں تھا

کھا گئے یہ کہہ کے تھے دیگی وہ پوری دیگ کی
وہ مزہ منجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا

ایک سی داڑھی تھی مسٹر ایک سی مونچھیں تو پھر
ظاہراً کیا فرق مولا بخش و گھونگھن میں تھا

دل نہ تھا

یار تھا لیکن مزہ پھر رسم کا حاصل نہ تھا
سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا

گارڈ صاحب نے بریکیں دیکھ کے چلتا کر دیا
یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

باپ ماں نے پاؤں میں شادی کی بیڑی ڈال دی
ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا

داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے
گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مآخذ (تذکرہ خندہ گل ص ۳۹۰ ثقہ ظریف)

نمکؔ

نام رام جی مل اور تخلص نمکؔ فرماتے تھے۔ والد کا اسم گرامی پنڈت چنی لال تھا محلہ کوچہ پانڈہ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار زمینداروں میں ہوا کرتا تھا۔ ان کی زمینداری ''مجھیا'' اور ''گڈھیاں'' میں تھی یہ تین بھائی تھے، مدن لال، دوارکا پرشاد اور دین دیال شریرؔ، نمکؔ کے ایک صاحبزادے کنہیا لال اور دو لڑکیاں تھیں۔ یہ آریہ سماج اور برہمن سبھا کے پردھان تھے۔ ۱۹۰۳ء میں آپ نے گرکل کے لئے سورج کنڈ کے پاس اپنا چودہ بیگہ کا باغ جسمیں کنواں بھی تھا دے دیا تھا۔ ابتدا میں آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو وہاں داخل کیا۔ نمکؔ تا حیات گرکل کے منیجر رہے آپ کے دو واسوخت ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء اور ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا تھا۔

بقول غیر مسلم شعرائے بدایوں کہ واسوخت مطبع خورشید بند مرادآباد میں چھپا تھا۔ ڈاکٹر ارملیس نے ''بدایوں اسماء کا'' میں اس واسوخت کا طباعت کا سال ۱۸۶۷ء لکھا ہے جو غلط ہے۔ وہاں نمکؔ کی زمینداری تھی جہاں ان کو رہنے والا لکھا ہے

یعنی "بھیا" ان کی زمینداری کا گاؤں تھا۔ واسوخت منشی
نول کشور پریس میں طبع ہوئی۔
نمک نے سنجیدہ ہوتے ہوئے بھی خوب طنز کہے ہیں
زبان کی سلاست اور طنز کا انداز ملاحظہ فرمائیں ؎

دو دو ہاتھ اچھلے ہے اب غم سے کلیجہ میرا
چار و ناچار میں کچھ حال ہوں اپنا لکھتا
کب سے روتا ہوں میں اب آٹھ آٹھ آنسو بجا
کس ششش و پنج میں اللہ نے مجھ کو ڈالا

اگر اس ہفتے میں تم سے نہ ملاقات ہوئی
تو سمجھ لیجو کہ ضائع مری اوقات ہوئی

ساتھ جاتے تھے کبھی کھانے کو گلشن کی ہوا
سیر مہتاب کبھی کرتے تھے سیر دریا
کھیلی شطرنج کبھی گنجفہ چوسر چکا
ساتھ ہی لسّہ پیا ساتھ ہی کھانا کھایا

اس پہ تھا عشق ہمیشہ سے جو صادق میرا
تھا تو معشوق مگر ہو گیا عاشق میرا

دیکھ اس خال کو آیا مری خاطر کو ملال
اس کو سمجھایا کہ اے جاں ہے کہاں تیرا خیال
ان ہوس کاروں سے کرنا ہے ملاقاتِ کمال
تیرا میں عاشقِ صادق ہوں مرا دیکھ تو حال

جب کہاں یہ تو مری بات اسے خار ہوئی
خوب دل کھول کے رنجش ہوئی تکرار ہوئی

پھر کہا میں نے کہ اے قوتِ جاں راحتِ دل
چاہیئے تجھ کو سوا میرے نہ تو غیر سے مل
رشک ہے مجھ پہ گراں چھائی یہ جیوں رکھی ہو سل
بری صحبت سے حذر کرتے ہیں جو ہیں عاقل

ہمسری غیر کرے گا مری کیا غیرتِ ماہ
چاہ آساں ہے مگر چاہ کا مشکل ہے نباہ

[مآخذ: تجلیاتِ سخن، واسوخت نمک
غیر مسلم شعرائے بدایوں۔]

وحید

وحید صاحب کے بارے میں بہت معلومات کرنے کی کوشش کی مگر حالات نہ مل سکے۔ صرف یہ پتہ مل سکا کہ وہ قمر الحسن قمر بدایونی کے تلامذہ میں تھے۔ ان کے دو شعر دستیاب ہو سکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور ان سے رات میلے میں
میں کہتا تھا کہیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں

کہا میں نے کہ اک بوسہ کفِ پا کا مجھے دے دو
لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کفِ پا کا !

[ماخذ:۔ تذکرۂ شعرائے بدایوں پاکستان۔]

واہ وا

درمیانی قد، قدرے بھاری جسم، کتابی چہرہ، کھلا ماتھا موٹی ناک، گندمی رنگ، کلین شیو، سفید رنگ کا پاجامہ کرتا زیب تن، طبیعت میں ظرافت ہنس کر بات کرنا۔ ان کی فطرت ہے۔ یہ ہیں مولوی عظمت حسین صاحب سابق ممبر میونسپل بورڈ بدایوں **واہ وا** تخلص فرماتے ہیں دورِ جوانی میں طنز و مزاح میں شعر کہہ کر خوب واہ وا کمائی مگر کچھ حالات اور کچھ سیاست میں دلچسپی شاعری کے درمیان حائل ہوئی جس کی وجہ سے شاعری کو خیرباد کہنا پڑا۔

ان کے والد کا نام مولوی مظفر حسین تھا اور سنہ ۱۹۱۶ء میں محلہ چودھری سرائے بدایوں میں پیدا ہوئے۔ درجہ ششم تک اردو کی تعلیم حاصل کی تعلیم کے دور سے ہی جناب شبیر حسن خاں صاحب چیرمین میونسپل بورڈ بدایوں ان کے خاص دوستوں میں ہیں۔ ان کے والد محلہ مولوی ٹولہ سے منتقل ہو کر اپنے خسر صاحب کے مکان محلہ چودھری سرائے بدایوں میں آ گئے تھے۔ شرفِ تلمذ جناب محمد احمد غزنوی سے حاصل تھا۔

انہوں نے ظرافت میں بہت خوب اشعار کہے ہیں۔ نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں ؎

وہ گھر بنا کے بیٹھے ہیں یوں مہماں سے دور
مطلوق ابھی بھی جیسے ہو اپنے میاں سے دور

بکت تیری دُم میں بانس سمجھا ہے خر مجھے
دشمن کو کشمیر سال دیئے اور مرڑ مجھے!

بیڈ صعب ہے واہ وا اڑا دیے ہیں کہیں نہ لوٹ
اس ڈر سے مارتے نہ کبھی ماسٹر مجھے!

غیر کے ساتھ تمہیں ہائی ڈیر دیکھ لیا
ہم وفادار سمجھتے تھے مگر دیکھ لیا

غیر کو چت نہ کیا، پٹ ہی پچھاڑا میں نے
مصلحت دیکھی مری میرا ہنر دیکھ لیا

پوریاں نہیں

سوفی وہ بزم ہم سے ہو شاعر جہاں نہیں
شہرت مری غزل کی بتاؤ کہاں نہیں

وہ کس طرح اب آئیں شریفوں کی بزم میں
اچکن خراب ٹوپی پھٹی جوتیاں نہیں

دیکھا نہ بھالا پیرِ مغاں ان کو کہہ دیا
پیرِ مغاں کے باپ ہیں پیرِ مغاں نہیں

اہلِ چمن خدا سے بھی کرتے ہیں یہ دعا
یارب رہیں جہان میں یہ بجلیاں نہیں

لیکن ہیں ہم ملازم بجلی جنابِ من
گر بجلیاں نہیں تو یہاں روٹیاں نہیں

دعوت کو ایسی ہم بھلا کیسے کریں قبول
حلوہ نہیں، کباب نہیں، پوریاں نہیں

کچھ تو پتہ چلاؤ میاں واہ وا تم!
کیا بات ہے کہ حضرت کھڑکھڑیاں نہیں

گلدستۂ بہارِ اردو مشاعرہ
۱۸ر دسمبر ۱۹۳۸ء
بدایوں

ہلال رضوی رامپوری

دبستانِ رامپور کے طنز و مزاح کے شعراء میں ہلال صاحب نے خاصی شہرت حاصل کی۔ آل انڈیا مشاعرے آخری عمر تک پڑھتے رہے۔ سامعین ہلال صاحب کا کلام سُننے کے لئے منتظر رہتے تھے۔ ان کا نام حسن مہدی رضوی تھا۔ تخلص ہلال فرماتے تھے۔ ان کے والد کا نام سیّد اخلاق حسین نہال۔ ہلال صاحب ۱۹۱۴ء کو رامپور میں پیدا ہوئے تھے۔ شرف تلمذ جناب راز یزدانی سے حاصل تھا۔ شعر کہنے کا شوق اوائل عمر سے تھا۔ ان کا مجموعہ کلام "کہہ دل" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کی وفات ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء کو رامپور میں مادی کے سبب ہوئی تھی۔ ہلال صاحب سول لائنز رامپور ہی میں قیام پذیر رہے۔ انہوں نے اپنا تعارف خود ہی دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ؎

دوسروں کو جب کہ آئینہ دکھا سکتا ہوں میں
نظم میں اپنا تعارف بھی کرا سکتا ہوں میں

جناب رئیس رامپوری نے ان کی
تاریخ وفات اس طرح کہی ہے

[آہ دنیا سے ہو گئے رخصت
شعر گو محترم جناب ہلال!
۱۴۰۴ھ]

نام ہے میر احسن مہدی تخلص ہے ہلال
ہے ہمیشہ سے مری نظروں میں سیاروں کی چال

محفلِ اشعار میں اک رنگ، ہوں رامش ہوں میں
یعنی سن انیس سو چودہ کی پیدائش ہوں میں

گھر میں تھا ماحول شعری رات دن شاعری
مل گئی آخر کو یہ نعمت مجھے بھی مل گئی!

آگیا گویا لڑکپن ہی سے کہنا آ گیا
فاعلاتن ، فاعلاتن ، فاعلاتن ، فاعلا

ماں تو کہتی تھی کہ پڑھنے کے لئے اسکول جاؤ
باپ کہتے تھے کہ اس مصرع پہ تم مصرع لگاؤ

میں یہ کہتا تھا مجھے بزم سخن میں جانا ہے
گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانا ہے

فائدہ کچھ بھی نہیں بیکار ہے رنج و تعب
کچھ کہے بیوی بلا سے کیا کیا جائے کہ اب

ہر دعائے نیک سے تاثیر ہو کر رہ گئی !
مختصر یہ شاعری تقدیر ہو کر رہ گئی !

شاعر طنز و تبسم مجھ ہی کو کہتے ہیں لوگ
شعر سننے کو مرے سب منتظر رہتے ہیں لوگ

شیر کا بچہ

صبح سے بچہ خفا ہے دودھ پیتا ہی نہیں
مجھ سے بیگم بولیں کوشش کیجیے کچھ آپ بھی

ہنس کے بیوی سے کہا میں نے پریشاں ہو نہ تم
دودھ تو یہ بھی پیئے گا اور اس کا باپ بھی

غلط اقوال

بلندی پر جو پہنچے عشق تو پھر حسن ملتا ہے!
غلط بالکل غلط، جھوٹے یہ سب اقوال ہوتے ہیں
وہ ہر سیزن میں دانی کھیت رہتے ہیں مگر جب بھی
میں دانی کھیت جاتا ہوں وہ نینی تال ہوتے ہیں

بوالہوس بوڑھے نے اک بے گھر حسینہ سے کہا
آیئے گھر میں مرے غل ہے نہ کوئی شور ہے

وہ حسینہ پوپلا منہ دیکھ کر کہنے لگی
اس کی اینٹیں گر چکی ہیں یہ مکان کمزور ہے

پرانی آنکھیں نیا زمانہ

دادی اماں مجھ سے بولیں سن تو رے لڑکے ذرا
کل جو کمرے میں ترے مہمان تھا بیٹھا ہوا

جس کا چہرہ خوبصورت لمبے لمبے بال تھے
ہونٹ جس کے سالبانی سرخ جسکے گال تھے

آنکھ میں کاجل کے ڈورے جیسے ساون کی گھٹا
پیکر انساں میں محصور ہو جیسے بلا!

پنڈلیاں تھیں سرخ چکنے بیل بوٹم میں نہاں
زینتِ سینہ تھی شرٹ ایسی کہ جیسے گلستاں

سامنے میرے وہ کچھ ایسی تھی گھبرائی ہوئی
جیسے چوتھی کی دلہن ہو کوئی شرمائی ہوئی

دیکھ کر یہ رنگ میں بڑھیا دیوانی ہو گئی
میرے بیٹھے مجھ کو مجھ سے بدگمانی ہو گئی

دل میں کہتی تھی کہ پوتے کو مرے کیا ہو گیا
یہ سعادت مند، اسیرِ زلفِ لیلیٰ ہو گیا

پھر بھی اخلاقاً مجھے اس کے قریں آنا پڑا
اس کے مقصد کو سمجھنا اور سمجھانا پڑا

پاس کس کے آئی ہو میں نے کہا اے مہ جبیں
اس نے شرما کر کہا آیا ہوں "میں" آئی نہیں

ماخوذ:۔ گلدستہ پانچ کل ہند
مشاعرے۔ ایس۔ کے بھٹناگر
۱۹۸۳ء

ہلچل

طاہر احمد خاں نام تھا۔ تخلص ہلچل فرماتے تھے۔
ان کے والد کا نام مظہر احمد تھا۔ غوری پٹھان تھے۔ محلہ سوتھا بدایوں میں سکونت تھی۔ تعلیم واجبی تھی جلد سازی کا پیشہ کیا کرتے تھے۔

مولوی قمر الحسن قمر کے شاگرد تھے۔ ان کی پیدائش بیسوی صدی کی دوسری دھائی میں ہوئی تھی۔ پستہ قد تھا۔ پیٹھ میں کوبڑ تھا، ناک موٹی تھی۔ رنگ سانولہ چمکیلی آنکھیں تھیں۔
چھ سڑکہ بدایوں کچہری روڈ پر ان کی پرانی کتابوں کی خرید و فروخت کی دوکان تھی اسی دوکان میں جلد سازی کا کام ہوتا تھا۔ ان کی وفات تقریباً ۶۹-۱۹۶۸ء کے درمیان ہوئی تھی۔ ان کو چھوٹی زیارت یعنی شاہ ولایت صاحب میں دفن کیا گیا۔
طبیعت میں ظرافت تھی ہمیشہ مسکرا کر بات کرتے تھے انہوں نے مزاح میں خوب طنز کیے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیں ؂

کہہ دیا مجھ سے کہ لڑکی میری کمسن ہے ابھی
میرا سسرا میرے حق میں ساردا بل ہو گیا

قیس کے ہرجے کی ڈگری کل ہوئی تھی اور آج
قرق لیلیٰ ہو گئی نیلام محمل ہو گیا

قتل کر کے مجھ کو قاتل کی بھی پھانسی ہو گئی
وہ فقط قاتل تھا میں قاتل کا قاتل ہو گیا

اسی خوشی میں تھری کیسل پلاؤں گا تجھے
جھونپڑا میرا تیرے آنے سے کیسل ہو گیا

ہو گیا لائیسنس اس کے ابروئے خمدار پر
ہلچل ہے اب قانون میں نتھی وہ قاتل ہو گیا

کبھی جے رام جی کی اور کبھی کہتے ہو پالاگن
میں کوئی رام جی مل ہوں کشوری ہوں کہ گپت ہوں

فرزند ارجمند کی کیا پیش جائے گی
بکے گا وہ پسند جو ان کی بہو کریں

یہ سوچ کر وہ غیر سے ملتے ہیں مستقل
ہر روز کیا تلاش نیا بانگڑو کریں

ہلچل سنا ہے آج انہیں قید ہو گئی
اب جیل جائیں ان کی اگر آرزو کریں

[بشکریہ جناب ضیا علی خاں
اشرفی بدایوں]

ہلال سیوہاروی

نام حبیب الرحمٰن، ہلال تخلص فرماتے ہیں۔
ان کا وطن سیوہارہ ہے۔ ہلال صاحب ۱۹۲۸ء کو سیوہارہ ضلع بجنور میں شاعرانہ ماحول میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم باقاعدہ اسکول میں نہ ہو سکی۔ انھوں نے ہندی۔ انگریزی اردو، فارسی کی تعلیم ذاتی طور پر حاصل کی ہے۔

شاعری ان کو ورثے میں ملی ہے۔ ان کے دادا اچھے استاد شاعر تھے۔ ان کے والد بھی ایک پُر گو شاعر اور مانے ہوئے ادیب خوش نویس تھے اوائل عمر سے ان کو شاعری سے لگاؤ رہا ہے جس کے سبب آج ان کا شمار طنز و مزاح کے مشاہیر شعرا میں ہوتا ہے۔ سامعین ان کو سننے کے لئے بے تاب رہتے ہیں "قریب سحر" ہلال صاحب کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ جو اکتوبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔ ہلال صاحب مزاح میں بہت خوبصورت طنز کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے ؎

اک گدھے سے کہا میں نے کہ میاں اچھے ہو
بولا اینٹوں سے لدا پھرتا ہوں کیا اچھا ہوں
میں نے اُس سے کہا اس دور کا لیڈر ہو جا
بولا اِس سے تو میں سرکار گدھا اچھا ہوں

ایک نیتا سو رہے تھے چیخ کر میں نے کہا
اب تو اٹھ جاؤ چھری آئی ہے گردن کے قریب
اتنا سُننا تھا کہ برہم ہو کے فرمانے لگے
بے ادب، ہم لوگ اٹھتے ہیں الیکشن کے قریب

کل کلاسوں میں جو پابند رہا کرتے تھے
آج کالج میں وہ آزاد رہا کرتے ہیں
بچے اسکول میں پٹنے سے ڈرا کرتے تھے
اب اسی فکر میں استاد رہا کرتے ہیں

جو ملازم آج تک تھے ریلوے ہڑتال پر!
اب حکومت کو پھنسا دیں گے نئے جنجال میں
یہ کہیں بھارت کی آبادی نہ کر دیں چوگنی
بیٹھے بیٹھے کیا کیا ہے ریلوے ہڑتال پر!

بورڈ پیلا دیکھتے ہی اہلیہ کہنے لگی
کل سے بندی اس پہ پابند عمل ہو جائے گی
میں یہ بولا پانچ تو پہلے ہیں، بولی کیا ہوا
اور دو ہو جائیں گے پوری غزل ہو جائے گی

تم اپنی غریبی کو مٹاتے نہیں خود ہی
کیا کیا نہ ملا تم کو سہارا نہیں سمجھے!
ہر شہر میں مدت سے ہے راتوں کو اندھیرا
تم لوگ حکومت کا اشارا نہیں سمجھے!

نہرو عالمِ ارواح میں

جیسے ہی عالمِ ارواح میں پہنچے نہرو
دیکھا موجود تو ہیں سارے شہیدانِ وطن

لیکن اک خامشی چھائی تھی توقع کے خلاف
جانے کس بات پہ تھی سب کی جبینوں پہ شکن

جیسی اُمید تھی وہ شدّتِ جذبات نہیں
خیر مقدم یا سواگت کی کوئی بات نہیں

رک گئے اٹھتے ہوئے پاؤں شہیدوں کی طرف
دیکھا جس سمت ادھر بگڑے ہوئے تھے تیور

تابِ بے گانگیٔ اہلِ وفا لا نہ سکے!
اشک بھر لائے لگی چوٹ بھی دل پر جا کر

بے سبب ایسی صدا قابلِ برداشت نہ تھی
دوستوں کی یہ ادا قابلِ برداشت نہ تھی

جوہر و شوکت و آزاد کی جانب دیکھا
ملتفت کوئی نہ ہوتا تھا عجب عالم تھا

بابو چپ تھے تو ادھر ملکہ جھانسی خاموش
ٹیپو سلطان کو دیکھا تو الگ برہم تھا

بوس کچھ پرسشِ حالات نہیں کرتے تھے
گوکھلے اور تلک بات نہیں کرتے تھے

نہرو حیران و پریشان تھے یہ راز ہے کیا
کچھ نہیں سمجھے کہ احباب کا انداز ہے کیا

بے گناہی پہ دیا بڑھ کے سہارا آخر
جی کڑا کر لیا نہرو نے پکارا آخر

کون سے جرم کی پاداش ہے کیا طرز عمل!
جلد بتلاؤ یہ توہین وفا کیسی ہے!

جس کا بدلہ ہے یہ بے گانہ روی بے مہری
کچھ تو سمجھاؤ کہ آخر وہ خطا کیسی ہے

غم و اندوہ کی تصویر مجسّم کیوں ہو
منہ سے کچھ بولو تو میں جانوں کہ برہم کیوں ہو

اتنا سُننا تھا کہ بس جوالا مکھی پھوٹ پڑا
آیا پھر خون میں سردار بھگت جی کے اُبال

شیرِ پنجاب جو گرجا تو فضا گونج اٹھی
تلخ انداز میں کرنے لگا نہرو سے سوال

یہ تو بتلا دے کہ یارانِ وطن کیسے ہیں
اے نگہبانِ وطن اہلِ چمن کیسے ہیں

میں نے چھوڑا تھا بھڑکتے ہوئے شعلوں میں وطن
یہ بتا ان میں کوئی شعلہ بجھا ہے کہ نہیں

وہ جو اک بھوک سے منڈلایا ہوا تھا بادل
زندگی کے کسی گوشے سے چھٹا ہے کہ نہیں

کیا کوئی ٹھیس لگی ہند کے زرداروں کو
سانس لینے کی بھی مہلت ملی ناداروں کو

ننگے سر ننگے بدن اور وہ ننگے پاؤں
کیا اسی حال میں مزدور جیے جاتے ہیں

وہ درندے ہیں جو انسان کے خوں کے پیاسے
کیا غریبوں کا لہو اب بھی پیا کرتے ہیں

وہ طلسم زر و زردار کبھی توڑا تو نے
شوکتِ قوم کو کس حال پہ چھوڑا تو نے

(ماخذ: "فریب سحر" ہلال سیوہاروی)

کتوں کی کانفرنس

ایک دن اخبار میں کچھ یوں خبر تھی بیش و کم
ایک عورت نے دیا ہے سات بچوں کو جنم

اس عجوبے پر ہزاروں تبصرے ہونے لگے
جتنے غیرت دار تھے کتے وہ سب رونے لگے

شدّتِ غم سے ہر اک کتّے کو تپ چڑھنے لگا
بولے اب انسان ہماری ہمسری کرنے لگا

ایک کتا تو یہاں تک کہہ گیا جذبات میں
کیا حماقت کی ہے اس نے آج کے حالات میں

جب کہ ساری قوم کے آگے تھا روٹی کا سوال
آج ہی کے دور میں اس کو دکھانا تھا کمال

اس کو لینا تھا جو ہم کتوں کی صحبت کا اثر
اور بھی کچھ خوبیاں تھیں ان پہ کرنی تھی نظر

سب سے پہلے ہم سے لینا تھا اسے درسِ وفا
آج تک یہ جنس سے بے بہرہ ہے نا آشنا

پہلے ہم سے یہ اصولِ زندگانی سیکھتا
کس طرح ہوتی ہے گھر کی پاسبانی سیکھتا

زرد فاقہ سیکھتا، لیتا قناعت کا سبق
پہلے لینا تھا اسے ہم سے محبت کا سبق

مطمئن ہیں غیر اس سے اور نہ خود اسکے عزیز
ہم کہ رکھتے ہیں صدا اپنے پرائے کی تمیز!

یہ جسے بھی مارتا ہے، مارتا ہے بن کے یار
ہم کسی پر بھی نہیں کرتے کبھی چھپکے سے وار

ہم چھپاتے ہیں نہ کالا دھن، نہ کرتے ہیں بلیک
ہم مسلماں ہیں نہ ہندو، ہے ہمارا دھرم ایک

ہم کسی کا بھی نمک کھا کر نہیں کرتے حرام
یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام

ہم نہ مے نوشی ہی کرتے ہیں نہ ہم پیتے ہیں بھنگ
ہم میں ہڈی ڈال کر انسان کرا دیتا ہے جنگ

پھر بھی اپنی جنگ کو ہم مستقل کرتے نہیں
اس طرح کی مدتوں کشمیر میں لڑتے نہیں

ہم میں ڈھونڈو گے نہ ہوگا امن کا دشمن کوئی
ہم میں نہ دھنوان ہے کوئی نہ نردھن ہے کوئی

اشرف المخلوق کیسے پڑ گیا تھا اس کا نام!
کیا نہیں اے ساتھیوں ڈوب مرنے کا مقام

یہ تمہارے چور کی پتہ ہم سے لگاتی ہے پولیس
ہم بتاتے ہیں تو اس کو کھینچ لاتی ہے پولیس

کون سی پھر فوقیت ہے آج کے انسان میں
ہم سے آگے کب یہ پہنچا ہے کسی میدان میں

ہر مصیبت ہر بلا میں اس سے پہلے ہم گئے
انتہا یہ ہے خلا میں اس سے پہلے ہم گئے

ہم بھی ہوتے ہیں کبھی فطری تقاضوں کا شکار
صنفِ نازک کو مگر دیکھتے نہیں سر پہ سوار

اک ہمارے واسطے قدرت نے رکھا ہے نظام
رات دن ہم نسل سازی کا نہیں کرتے ہیں کام

بات یہ سوچی ہمیں نیچا دکھانے کے لئے
مرض بھی کرنے چلا بچے بنانے کے لئے

ماخذ :- گلدستہ، پانچ مشاعرے
ایس۔کے بھٹناگر۔
سنہ ۱۹۸۴ء

ماخذ

نمبر شمار	نام کتاب	سن اشاعت	نام مصنف / مرتب
۱	خم خانۂ جاوید	—	
۲	تذکرہ خندۂ گل	—	عبدالباری آسی
۳	تذکرہ شعرائے بدایوں	سنہ ۱۹۸۵ء	
۴	تذکرہ شعرائے غیر مسلم بدایوں	سنہ ۱۹۸۷ء	شاداب ذکی
۵	زندہ گیتے	سنہ ۱۹۸۳ء	عروج زیدی
۶	خدا جھوٹ نہ بلوائے	اکتوبر سنہ ۱۹۸۷ء	دلاور فگار
۷	آئینۂ شہباز	سنہ ۱۹۸۱ء	سید علی سید امروہوی
۸	خطا معاف	سنہ ۱۹۸۵ء	شاداں بدایونی
۹	تحفۂ ظریف	سنہ ۱۳۴۵ھ	مولوی قمر الحسن قمر بدایونی
۱۰	نذر اعجاز	سنہ ۱۹۸۵ء	
۱۱	گلدستہ بہار اردو	سنہ ۱۹۳۸ء	
۱۲	فریب سحر	سنہ ۱۹۷۲ء	ہلال سیوہاروی
۱۳	گلدستہ پانچ کل ہند	سنہ ۱۹۸۳ء	ایس۔ کے بھٹناگر
۱۴	اخبار روہیلکھنڈ	۵ اپریل سنہ ۱۹۶۱ء	
۱۵	اخبار ہماری زبان	۵ اپریل سنہ ۱۹۸۹ء	
۱۶	اخبار قومی آواز	سنہ ۱۹۸۴ء	دہلی
۱۷	رسالہ بہارِ بے خزاں	سنہ ۱۹۰۳ء	بریلی

TAZKARA

SHORA - E - TANZOMIZAH ROHELKHAND

'KHAN FAHEEM MURATTIBA'

1993

Office :- LAMHE LAMHE

Sarai Jalundhri BUDAUN-243601